وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

فروری ۱۹۷۸ء

☆

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

☆

شائع کردہ :

مرکزی مکتبہ تنظیمِ اسلامی

۳۶ - کے ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور

فون : 352611

سالانہ [illegible] قیمت فی نسخہ [illegible]

الحمد للہ کہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی دو اہم تصانیف جن کا شدت سے انتظار تھا طبع ہو گئی ہیں !

(۱)

اسلامی ریاست

مشتمل بر

- چند بنیادی مباحث
- شہریت کے حقوق و فرائض
- غیر مسلموں کے حقوق
- اطاعت کے شرائط اور حدود
- کارکنوں کی ذمہ داریاں اور ان کے اوصاف

۱۸ × ۸/۲۲ کے ۳۷۶ صفحات اعلیٰ سفید کاغذ پر آفسٹ کی طباعت
مجلد مع ڈسٹ کور : قیمت -/۲۰

(۲)

پاکستانی عورت

دوراہے پر

صفحات ۱۸۴ : قیمت -/۱۰

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۔ لاہور
۳۶ ۔ کے ، ماڈل ٹاؤن ۔ لاہور (فون : ۳۵۲۶۱۱)

جمیل الرحمٰن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ احوال

راقم الحروف کو اپنی نجی کاموں کے سلسلے میں سوا ماہ سے زیادہ کراچی میں قیام کرنا پڑا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ماہ جنوری ۷۸ء کا شمارہ کافی تاخیر سے شائع ہوا اور اب فروری ۷۸ء کا شمارہ بھی مہینے کے وسط تک شائع ہو سکے گا۔ کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ قارئین میثاق کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑے، لیکن ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ کوشش کی جائے گی کہ مارچ کی اشاعت میں تاخیر نہ ہو۔ کوشش کرنا ہمارا کام ہے اس کا اتمام اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے۔

زیرِ نظر شمارے میں تعداد کے لحاظ سے قارئین کو مضامین کی کمی محسوس ہوگی۔ لیکن کیفیت کے لحاظ سے توقع ہے کہ ان شاءاللہ یہ شمارہ کافی پسند کیا جائے گا۔

اس شمارے کا پہلا مضمون "قرآنِ پاک کا کلام الٰہی ہونا" جناب مولانا سید حامد میاں مدظلہ العالی مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ مقالہ چوتھی سالانہ قرآن کانفرنس منعقدہ ۲۵ - ۲۷ نومبر ۷۷ء میں پیش کیا گیا تھا۔ مضمون کے بارے میں کچھ عرض کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہوگی۔ اس کی قدر و قیمت اور افادیت کا اندازہ ان شاءاللہ قارئین اس کے مطالعے کے بعد خود ہی لگا سکیں گے۔

دوسرا مضمون جناب مولانا وصی مظہر صاحب ندوی (مہتمم مدرسہ عربیہ اسلامیہ حیدرآباد) کی "دعوت الی اللہ تاریخ کے آئینے میں" کے موضوع پر ریڈیو جدہ سعودی عرب سے نشر کردہ پانچویں تقریر پر مشتمل ہے۔ یہ نشریاتی تقریر مختصر ہونے کے باوصف انتہائی جامع ہے۔ ان شاءاللہ جلد ہی اس موضوع پر مولانا موصوف کی تمام نشریاتی تقاریر مکتبہ صلائے عام حیدرآباد کی جانب سے کتابی صورت میں شائع ہو کر منصہ شہود پر آجائیں گی۔

۱۹۷۳ء میں ربیع الاول کے مہینے میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کراچی میں سیرت النبیؐ کے ضمن میں ایک تقریر کی تھی، جس کو راقم الحروف نے ٹیپ سے منتقل کیا تھا۔ اس خطاب کو کراچی کی ذیلی انجمن کی جانب سے مارچ ۷۴ء میں "نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں"

کے نام سے دو ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا تھا۔ یہ کتابچہ مختصر سی مدت میں ختم ہو گیا تھا۔ چونکہ ربیع الاول کی پھر آمد آمد ہے لہٰذا اس کتابچے کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا جا رہا ہے۔ جس کو قارئین 'میثاق' کے لئے زیر نظر شمارے میں بھی شامل کیا جا رہا ہے۔ چونکہ اس سے قبل یہ خطاب میثاق میں شائع نہیں ہوا تھا لہٰذا امید ہے کہ اس کی اشاعت قارئین میثاق کے لئے مفید ثابت ہوگی!

میثاق کے دسمبر ۷۷ء کا شمارہ علامہ اقبال مرحوم کی حیات، فلسفہ اور پیغام پر مشتمل جناب پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کے مضمون نیز دو مقالات "علامہ اقبال اور حبِ رسولؐ" از قلم محترمہ جمیلہ شوکت صاحبہ (لاہور) اور "عدل اجتماعی اور قرآن حکیم" از قلم مولانا طاسین صاحب (کراچی) پر مشتمل تھا۔ یہ دونوں مقالے چوتھی سالانہ کانفرنس منعقدہ ۲۵ تا ۲۷ نومبر ۷۷ء کے لئے لکھے گئے تھے۔

مولانا محمد طاسین صاحب تو علالت کی وجہ سے کراچی سے تشریف ہی نہیں لا سکے تھے۔ نیز مردوں کے اجتماعات میں خواتین کا بہ حیثیت مقرر پیش ہونا ہمارے نزدیک اسلامی نقطہ نظر سے صحیح نہیں ہے، اس لئے یہ دونوں مقالے مطبوعہ صورت میں کانفرنس میں تقسیم کئے گئے تھے۔ یہ وضاحت اس لیے کی گئی ہے کہ مبادا کسی حلقے میں یہ غلط فہمی راہ پائے کہ محترمہ جمیلہ شوکت صاحبہ نے اپنا مقالہ قرآن کانفرنس میں خود پڑھ کر سنایا تھا۔ موصوفہ کے مقالے کے سلسلے میں ایک مزید وضاحت بھی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ موصوفہ نے اپنے مقالے کے آخر میں علامہ اقبال مرحوم کی قبر کے متعلق اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ "لوگ آج بھی روحانی فیض کے حصول کے لئے ان کی قبر کا رُخ کرتے ہیں اور نہال ہو کر واپس لوٹتے ہیں"۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ ہم قبور سے کسی روحانی فیض کے حصول کے قائل نہیں ہیں بلکہ اس نظریہ و خیال کو قطعی خلاف دین سمجھتے ہیں۔ یہ مضمون طباعت سے قبل نہ ڈاکٹر صاحب نے دیکھا تھا نہ راقم الحروف نے۔ جن صاحب نے اس مضمون کو دیکھا تھا ان کا اس طرف خیال نہیں گیا۔ بہرحال موصوفہ کے اس خیال سے ہم اظہار برأت کرتے ہیں۔

مرکزی انجمن خدام القرآن کی مجلس منتظمہ نے طے کیا ہے کہ پانچویں سالانہ قرآن کانفرنس کا انعقاد کراچی میں ہوگا۔ اس کانفرنس کے لئے ۲۲ تا ۲۴ مارچ ۷۸ء کی تاریخیں

طے کرلی گئی ہیں۔ اور کانفرنس کے لئے آئی بی۔اے (انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن) ہال کی بکنگ بھی ہوگئی ہے۔ یہ ہال گارڈن روڈ پر ایم۔اے جناح روڈ سے داخل ہوتے ہی مکّی مسجد سے پہلے داہنی جانب کی سائڈ اسٹریٹ میں واقع ہے۔ اس کانفرنس میں شرکت کے لئے مختلف علماءِ عظام اور دانشورانِ کرام کو دعوت نامے جاری کئے جاچکے ہیں۔ کراچی کے لحاظ سے تو یہ پہلی قرآن کانفرنس ہوگی۔ جبکہ مرکزی انجمن کی پانچویں۔ اس کانفرنس کے جملہ انتظام و انصرام کی ذمہ داری کراچی کے رفقاء کے کاندھوں پر ہوگی۔ توقع ہے کہ ان شاء اللہ العزیز کراچی میں دعوتِ رجوع الی القرآن سے تعلق خاطر رکھنے والے تمام ہی حضرات اس کانفرنس کو حسنِ انتظام کے لحاظ سے کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی سعی و کوشش کریں گے۔ اس کانفرنس کے انتظامی امور کی ذمہ داری رفیق مکرم قاضی عبدالقادر صاحب کے سپرد ہے۔ جن کا فون نمبر ۶۱۳۳۷۷ ہے جس پر ان سے کانفرنس کی تفاصیل کی معلومات کے لئے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

کل پاکستان سُنّی کونسل کراچی کے زیرِ اہتمام یکم ربیع الاوّل ۱۳۹۸ سے ۱۲ ربیع الاوّل تک خالق دینا ہال میں روزانہ سیرت مطہرہ کے بیان کے لئے مجالس کا انعقاد عمل میں آئے گا۔ جس میں ان شاء اللہ العزیز ڈاکٹر اسرار احمد روزانہ خطاب فرمائیں گے یہ مجالس بعد نمازِ عشاء منعقد ہوا کریں گی۔

انتخابِ حدیث

مرتبہ: سید محمود الحسن فاضلِ دیوبند

اس کتاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی کو ایک ایسی مؤثر اور دلنشین تشریحات کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے جس سے اصلاحِ باطن اور تزکیۂ نفس میں بڑی مدد ملتی ہے، یہ ایک بہترین تربیتی کورس ہے اُن نوجوانوں کے لئے جو خدا کی زمین پر خدا کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں، اور یہ مشعلِ راہ ہے اُن داعیانِ حق کے لئے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے اللہ کے کلمہ کو بلند کر رہے ہیں۔

ہم نے اسے اپنی روایات کے مطابق نہایت اعلیٰ معیار پر شائع کیا ہے۔ $\frac{۲۰\times۳۰}{۱۶}$ سائز کے ۴۰۰ صفحات۔ سفید کاغذ۔ آفسٹ کی طباعت۔ قیمت ۱۲ روپے

مکتبہ اسحاقیہ۔ جونا مارکیٹ۔ پھول چوک۔ کراچی ۲

قرآن پاک : کلام الٰہی

ازجناب مولانا سید حامد میاں صاحب

(یہ مقالہ چوتھی سالانہ قرآن کانفرنس منعقدہ نومبر ۷۷ء میں پڑھا گیا)

قرآنِ پاک کلامِ الٰہی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ قرآن مجید کے الفاظ کو تعظیماً لفظ نہیں بولتے بلکہ "نظم" کہتے ہیں۔ کیونکہ لفظ کے لغوی معنی ہیں "پھینکنا" اور چونکہ انسان آواز کے ذریعہ کلمات کو ایسے خارج کرتا ہے کہ جیسے پھینک رہا ہو۔ اس لئے کلمات کو الفاظ کہا جانے لگا۔

"نظم" کے لغوی معنی ہیں پرونا جیسے موتی پروئے جاتے ہیں، اور موتی وغیرہ قابلِ عزت اور قیمتی چیزیں ہیں۔ اسی لئے مفسرینِ کرام نے قرآن پاک کی عبارت کو نظم کہنا پسند کیا ہے اور شعراء بھی اپنے اشعار کے مجموعہ کو نظم کہتے ہیں۔ غرض قرآنِ پاک کی نظم اور معنی دونوں ہی کلام اللہ ہیں، دونوں کے مجموعہ کا نام قرآن ہے۔

اس کی عظمت جاننے کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مبارکہ کا جاننا ضروری ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ سہل زبان میں یہ مضمون پیش کروں۔ واللہ المستعان۔

آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) اسماءِ حسنیٰ ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات کے نام ہیں۔ جیسے ایک آدمی میں جب کوئی نمایاں صفت نظر آتی ہے تو اُسے اس کا نام دے دیا جاتا ہے۔ مثلاً ڈاکٹر صاحب، حافظ صاحب۔ اور کسی آدمی میں یہ دونوں وصف جمع ہو جائیں تو اس کا نام ڈاکٹر حافظ ملا کر لیا جانے لگے۔ نام کے ساتھ اس کے یہ دونوں نمایاں اوصاف ذکر کئے جانے لگیں۔

اسی طرح "اللہ" تو ذاتِ پاک کا نام ہے اور باقی اس کے اوصاف ہیں اور حق تعالیٰ کی ہر صفت اپنے موقع اور محل کے اعتبار سے اپنی جگہ دوسری صفت سے الگ ہے چاہے یہ شبہ ہوتا ہو کہ یہ بظاہر ایک ہی ہیں مثلاً رحمٰن، رحیم، رؤف، وُدود اللہ پاک

کے اسماءِ صفات ہیں جن کے قریب قریب ایک جیسے معنی نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت ہر صفت دوسرے سے جُدا ہے۔ جیسے تربوز کا میٹھا ہونا خربوزہ سے، آم سے، انگور سے، کھجور سے اور شہد وغیرہ سے مختلف ہے۔ بلکہ اُن کی تاثیرات تک میں فرق ہے کہ جسمِ انسانی پر جُدا جُدا اثر مرتّب ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ شہد کو ڈاکٹر ذیابیطس میں اکثر حالات میں مضر نہیں کہتے۔ حالانکہ وہ تیز میٹھا ہوتا ہے۔

اگر فقط مٹھاس پر نظر رکھی جائے تو بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ میٹھا ہونے میں اشتراک ہے اس لئے یہ سب ایک ہی چیز ہوں گے۔ لیکن ایسے کہنے والے کو بے عقل کہا جائے گا۔ اگر کسی کو تربوز کی قاش کھلا کر دریافت کیا جائے اور وہ کہے کہ یہ خربوزہ کی قاش تھی تو آپ یہ کہیں گے کہ نہیں یہ خربوزہ کی قاش نہیں تھی بلکہ تربوز کی قاش تھی۔ آپ نے ایک کے بارے میں نفی تک کردی حالانکہ میٹھا ہونے میں دونوں ایک ہیں —— بلکہ اس سے بھی زیادہ آگے بڑھ کر آپ تقسیم کرتے ہیں کہ ایک نوع کی چیز میں بھی نفی اور اثبات لاتے ہیں کہ یہ آم سہارنی ہے رٹول نہیں، رٹول ہے ثمر بہشت نہیں، طوطا پری ہے لنگڑا نہیں۔ اور ان کی قیمتوں کے فرق کو تسلیم کرتے ہیں، وغیرہ۔ اسی طرح باری تعالیٰ کے اسماءِ صفات سے جو صفات مفہوم ہوتی ہیں ان میں بھی فرق ہے اور وہ باعتبار مُتعلَّق کے جُدا جُدا ہیں، ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے تابع ہوکر ہی تمام مخلوقات میں اُن کا ظہور ہو رہا ہے اور یہ عجیب الصفات گلدستہ چمن بہار وجود میں آیا ہوا ہے —— غرض ہر صفت اپنے اثر و تاثیر کے لحاظ سے جدا ہے حتیٰ کہ رحمٰن و رحیم بھی۔ جس کی تفصیل عُلماءِ کرام نے بیان فرمائی ہے۔

اب یہ سمجھئے کہ حق تعالیٰ کی کچھ صفات وُجُودِیَّہ کہلاتی ہیں، ان ہی کو صفاتِ اکرام کہا جاتا ہے۔ اور کچھ صفات جَلَالِیَّہ اور تَنزِیہِیَّہ کہلاتی ہیں، یہ وہ صفات ہیں جن میں حق تعالیٰ کی پاکی، برتری اور عظمت وغیرہ کا ذکر ہو۔ قرآنِ پاک کی آیت ہے: تبارک اسم ربک ذی الجلال والاکرام۔ اور اسی آیتِ مبارکہ سے یہ نام لیے گئے ہیں:

صفاتِ اکرامیہ یعنی وجودیہ سات ہیں۔ حیات[۱] — ارادہ[۲] — علم[۳] — قدرت[۴] — سمع[۵] — بصر[۶] اور کلام[۷]۔

اس سے یہ بات آپ کے سامنے آگئی کہ کلام اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ جب اس نے اس صفت سے اپنے بندوں کو نوازا تو انہیں زبان دے دی اور گفتگو سکھا دی۔ گفتگو بغیر

عقل اور علم سے نہیں ہو سکتی تھی تو وہ بھی عطا ہوئے ـــــ اور گفتگو دو قسم کی بخشی، ایک وہ کہ جو اپنے دل ہی دل میں انسان کرتا ہے اور دوسری وہ جو زبان سے الفاظ کے پیرائے میں ادا کرتا ہے۔ جو گفتگو دل ہی دل میں کرتا ہے وہ کلامِ نفسی کے مشابہ ہے اور بغیر آواز کے ہی اس کا مفید وجود ذہن میں سچ مچ ہوتا ہے۔ اس میں بات ہوتی ہے، کلام ہوتا ہے حتیٰ کہ بعض دفعہ دل ہی دل میں آواز تک کا انسان فرق کرتا ہے کہ یہ بات میں زور سے کہوں گا، یہ آہستہ اور یہ کان میں۔ لیکن دل کے اندر اس ساری گفتگو میں کہیں زبان نہیں استعمال ہوتی۔ گفتگو ہوتی ہے اور بلا زبان ہوتی ہے۔ آواز ہوتی ہے اور بلا آواز ہوتی ہے۔ چاہے آپ اسے دل ہی دل میں باتیں کرنا کہہ دیں، چاہے خیال کہہ دیں چاہے تفکر اور سوچنا کہہ دیں، چاہے منصوبہ کہہ دیں۔ مگر اس کا وجود ایسا ہے کہ ہر شخص جانتا ہے اور اس سارے عمل میں نہ زبان ہوتی ہے نہ آواز۔ اسی طرح حق تعالیٰ کا کلام ہے وہ زبان اور آواز سے بے نیاز ہے، وہ قادرِ مطلق ہے، وہ اپنے ارادہ و قدرت سے کلام فرشتہ پر ظاہر فرماتا اور وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر لے آتا ہے (علیہ السلام) اس بات کے سمجھنے کے لیے آلاتِ جدیدہ سے بھی مدد دی جا سکتی ہے مگر بحث طویل ہو جائے گی ـــــ اگر انسان غور کرے تو گویا اس پر حق تعالیٰ نے صفتِ کلام کی ایک بارش برسا دی ہے۔ پھر اس صفتِ کلام سے نفع اٹھانے کی وہ راہیں کھول دیں جو اس کے قرب و رضاء کے حصول کا ذریعہ بنیں اور اسے ان ہی محدود حروف میں اپنا کلام عطا فرمایا، جسے ہم قرآنِ کریم کہتے ہیں۔ تاکہ یہ اسے کانوں سے سُنے، پھر دل ہی دل میں دہرا کر اور زبان سے ادا کر کے قرب و ثواب حاصل کرے اور کانوں سے سننے پر، دل میں یاد کرنے پر، دماغ میں محفوظ رکھنے پر، زبان سے پڑھنے پر، غرض ہر عمل میں جُدا جُدا ثواب رکھ دیا ـــــ سننا جدا عمل ہے، سمجھنا اور ہے، دل و دماغ میں دہرانا اور ہے، زبان سے پڑھنا اور ہے اس لئے سب کا ثواب الگ الگ ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ہر نیکی میں دس طرح کا مشینی عمل ہوتا ہے، تو ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر رکھ دی گئی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کے ایک حرف کی ادائیگی کو بھی ایسی نیکی قرار دیا گیا ہے جو دس مرحلوں سے گزر کر وجود میں آئی ہو اور اسے بھی دس نیکیوں کے برابر فرمایا گیا۔

اب یہ سمجھئے کہ جب ہم تلاوت کرتے ہیں تو جو ہماری زبان سے نکلتا ہے اُسے کلام اللہ کہتے ہیں، بالکل ایسے ہی کہ جیسے آپ روزمرّہ کی زندگی میں کسی کی بات نقل کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں

کہ "بقول اس کے" اور یہ "اس کا مقولہ" ہے۔ حتیٰ کہ جھگڑتے وقت کہتے ہیں کہ اس کے الفاظ یہ نہ تھے، یہ تھے اور اس نے یہ لفظ نہیں استعمال کیا تھا بلکہ یہ لفظ کہا تھا۔ اور اشعاً نقل کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ اقبال کا کلام ہے، یہ اکبر کا کلام ہے، یہ جگر کا کلام ہے یہ حالی کا کلام ہے، یہ امیر مینائی کا کلام ہے اور جب کلام اقبال سناتے ہوتے ہیں تو یہ جانتے اور تسلیم کرتے ہوتے ہیں کہ آواز اور زبان آپ کی ہے اور کلام اقبال کا ہے۔ ان مثالوں سے آپ بآسانی یہ سمجھ سکیں گے کہ قرآن پاک کلام تو باری تعالیٰ کا ہے، اس کا محل ظہور آپ کی زبان و آواز ہے، محل ادراک آلاتِ دماغیہ ہیں اور مقر حفظ آپ کا مقرر روح یعنی قلب اور سینہ ہے۔ (نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ اور بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ۔) غرض تلاوت کے وقت ان سب جگہوں پر حق تعالیٰ کی صفتِ کلام کا ظہور ہو رہا ہوتا ہے، اور کلام اللہ تعالیٰ ہی کا ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کو کثرتِ تلاوت کی وجہ سے قرب و نسبتِ خداوندی حاصل ہوتی ہے، وہ بہت مضبوط اور دائمی ہوتی ہے۔

اب یہ سمجھ لیجئے کہ کلام اللہ اس حقیقت کے تحت کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے مخلوق نہیں ہے۔ مخلوق وہ چیز ہوتی ہے جو ذاتِ باری تعالیٰ سے جدا ہو۔ اللہ کی صفات اس سے جدا نہیں ہیں، وہ مخلوق نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے اس کے کلام کو مخلوق بالکل نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں مخلوق جیسے انسان اس کا محل ظہور ہو سکتا ہے، اور فرشتہ جیسے جبرئیل علیہ السلام و اسرافیل علیہ السلام اس کو اپنے اندر ضبط کر کے ایک مقام سے نبی کریم علیہ السلام تک پہنچانے والے ہو سکتے ہیں۔ اور الف۔ با۔ تا (یا اے۔ بی۔ سی) اس کے سمجھنے کے تحریری اشارے ہو سکتے ہیں۔ اور اس کلام پر دلالت کرنے والے بن سکتے ہیں اور کوئی بھی مخلوق کلام الٰہی کے ظہور کی جگہ ہو سکتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے درخت محل ظہور کلام اور محل نزول وحی بنا دیا گیا تھا۔

جنھوں نے قرآن پاک کو کلام الٰہی کے بجائے کلام رسول کہا ان کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝ — پھر کہا یہ تو ایک جادو ہے جو چلا آتا
اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ — ہے۔ یہ تو ہو نہ ہو آدمی کا کلام ہے

(سورہ مدثر ۲۴-۲۵)

سَاُصْلِیْہِ سَقَرَ۔ عنقریب اس کو دوزخ میں ڈالوں گا۔

(سورۂ مدثر پ ۲۹۔)

قرآن کو مخلوق سمجھنے کی غلطی

عہدِ اسلام میں چار فرقے ضلالت کی جڑ قرار دیئے گئے ہیں اور باقی فرقے ان ہی میں سے پیدا ہوتے گئے ہیں، وہ یہ ہیں: قدریہ، رافضہ، خوارج اور جہمیہ۔ اور معتزلہ نے مسائلِ صفات میں جہمیہ ہی سے عقائد اخذ کئے۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ مامون الرشید کے دور میں بشر مریسی جو فرقہ معتزلہ کا بڑا شیخ تھا مع اپنے ہم خیالوں کے اس کا مقرب بن گیا۔ مامون کو علم کا شوق تھا مگر علمی پختگی حاصل نہ تھی۔ اس کے دور میں ۲۱۸ھ سے یہ فتنہ اٹھا اور ۲۳۱ھ تک چلتا رہا۔ مامون کے بعد معتصم پھر اُس کا بیٹا واثق، سب اسی خیال کے تھے (حتیٰ کہ متوکل علی اللہ کا زمانہ آیا اور اس کی اصلاح ہوئی۔) ان لوگوں نے اس فتنہ کو سرکاری سطح پر لاکر بہت بڑھانا چاہا۔ مگر امام احمد بن حنبلؒ وغیرہم سب علماءِ حق نے سختی سے تردید کی۔ آپ دو سال چار ماہ قید رہے اور قتل ہوتے ہوتے بچے ——— مامون الرشید کی موت کے بعد معتصم نے انہیں جیل سے لاکر دربار میں پیش کیا۔ اس اجماعی مسئلہ کو واضح کرنے کے لئے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنِ پاک اور احادیث سے استدلال کیا اور ان لوگوں نے منطق اور فلسفہ کی رُو سے بحث کی۔ (خدا نے عقل کا استعمال قرآن و حدیث کے مقابلے کے لیے۔) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ گفتگو میں عمدہ ترین جوابات دیتے رہے اور ان سے مطالبہ فرماتے رہے کہ کوئی دلیل قرآن و حدیث کی لاؤ۔ حتیٰ کہ تنگ آکر معتصم کے قاضی قضاۃ احمد بن ابی دُواد نے کہا کہ تم بس یہی کہتے ہو کہ قرآن اور حدیث لاؤ۔ امام احمد نے فرمایا کہ اسلام بھی تو یہی حکم دیتا ہے (مَیں نے کیا نئی بات کہہ دی۔) یہ بات ۲۵ رمضان ۲۳۱ھ کی ہے۔ ان شریر لوگوں نے خلیفہ کو ورغلایا اور اس نے آپ کو کوڑے لگائے اور آپ کے گھر بھیج دیا۔ کوڑے ایسے لگائے گئے تھے کہ جن سے ان کے جسم کے لوتھڑے جوبے جان ہو گئے تھے، کاٹنے پڑے۔ کوڑوں کی کم از کم تعداد تیس ذکر کی گئی ہے۔ شفایاب ہونے کے بعد بھی آپ نے گھر سے باہر مسجد میں جمعہ یا جماعت کے لیے جانا بند کر دیا۔ حتیٰ کہ متوکل کا زمانہ آیا اسے ہدایت نصیب ہوئی اور یہ فتنہ فرو ہوا اور اس نے اہلِ حق کی پوری طرح مدد کی

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا غایت درجہ احترام کرنے لگا اور آپ کی وفات تک ہر خاص و عام کی یہی حالت رہی۔

ایسے مواقع پر حق تعالیٰ کی طرف سے روحانی تائید ہوا کرتی ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ دیا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے معتمد ربیع کو ایک خط دے کر مصر سے بغداد امام احمدؒ کے پاس بھیجا۔ صبح کی نماز کے بعد وہ ان سے ملے اور خط پیش کیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے اس خط کو پڑھا ہے؟ ربیع نے جواب دیا کہ نہیں، پھر انہوں نے خود پڑھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ربیع نے دریافت کیا کہ اے ابو عبداللہ اس میں کیا لکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تحریر فرمایا ہے کہ انہوں نے (امام شافعیؒ نے) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا: آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ابی عبداللہ احمد بن حنبل کو لکھو میری طرف سے سلام پہنچا دو اور ان سے یہ کہہ دو کہ عنقریب تمہاری آزمائش ہو گی اور خلق قرآن کا قائل کرنے کوشش ہو گی۔ ان لوگوں کی بات نہ ماننا۔ اللہ تعالیٰ قیامت تک کے لیے تمہارا نشان بلند رکھے گا۔"

ربیع کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ مجھے اس خوشخبری کی مٹھائی دیجیے۔ تو انہوں نے اپنی قمیص جو ان کی جلد سے لگی ہوئی تھی، مجھے اتار کر دے دی۔ جب میں امام شافعیؒ کے پاس واپس پہنچا اور واقعہ سنایا تو انہوں نے فرمایا کہ میں تم سے قمیص تو نہیں مانگتا کہ تمہیں دکھ ہو گا۔ لیکن ایسا کرو کہ اسے پانی میں ڈبو کر تبرک کے لیے وہ پانی مجھے دے دو۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اور بھی سب اکابر دین اپنی اپنی جگہ اس مسئلہ کا اعلان کرتے رہے، سمجھاتے رہے اور مناظروں کا جواب دیتے رہے۔ لیکن ان میں سب سے عظیم شخص احمد بن نصر خزاعی ہیں۔ ان کی شہادت کو متوکل کی اصلاح میں دخل ہے۔

احمد بن نصر ابن مالک ابن الہیثم الخزاعی

۲۳۱ھ میں ایک جلیل القدر بزرگ احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کوشش بھی کی کہ اس فتنہ کو جہاد بالسیف سے ختم کر دیا جائے ——— احمد رحمہ اللہ کے دادا مالک

ان مخصوص ترین لوگوں میں سے تھے، جنھوں نے قیام سلطنت عباسیہ کے لیے پوری قوت صرف کردی۔ ان کے والد نصر کی بھی معروف ترین شخصیت تھی اور بغداد میں سُوَیقَۃ نَصر کے نام سے ایک بازار بھی تھا۔

خود احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ائمۂ سُنّت میں شمار ہوتا ہے۔ حمّاد بن زید، سُفیان بن عُیَینہ اور امام مالک رحمہم اللہ سے احادیث کی تعلیم حاصل کی تھی اور امام علم حدیث یحییٰ بن معین ان کے شاگردوں میں ہیں ——— احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ کے سامنے کھلے دل سے مان لیا تھا کہ میں نے یہ کارروائی اقامتِ سُنّت کے لیے کرنی چاہی تھی اور خلیفہ واثق نے اس کا اثر زیادہ نہیں لیا تھا۔ لیکن جب مجلسِ شاہی میں عقیدہ کے میں سوالات ہوئے تو اس نے خود اپنے ہاتھ سے انکو شہید کیا اور عمرو بن معدیکرب کی صَمصامہ نامی مشہور تلوار سے وار کئے اس کے بعد ان کا سر مبارک سرِ عام لٹکا دیا گیا اور جسم ایک تنے سے الگ باندھ دیا گیا اور پہرہ بٹھا دیا گیا۔

۲۸۔ شعبان ۲۳۱ھ کو ان کا سر مبارک لٹکایا گیا اور ۲۳۷ھ کی عید الفطر کے ایک یا دو دن بعد اتارا گیا۔ باطل کا عروج اور ظلم اپنی حد کو پہنچ چکا تھا۔ خدا نے کیا کہ واثق بھی ان کے شہید کرنے کے بعد چین سے نہ رہا، بیمار رہنے لگا تھا۔ حتیٰ کہ اس واقعہ کے ایک سال چند ماہ بعد ہی خود واثق ۳۶ سال کی عمر میں ۲۴ ذی الحجہ ۲۳۲ھ کو بعارضہ استسقا مر گیا اور ۲۴ ذی الحجہ ۲۳۲ھ بروز چہار شنبہ زوال کے وقت متوکل علی اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی اور وہ خلیفہ ہوا۔

خدا کی راہ میں قربانیوں کی قبولیت اور قدرتی طور اصلاح حال کی ابتداء

بعض ارکانِ دولت نے احمد بن نصرؒ کی شہادت کے وقت اور بعد میں عجیب حالات دیکھے تھے۔ ان میں عبد العزیز بن یحییٰ الکنانی بھی ہیں۔ انہوں نے مناسب موقع پاکر متوکل سے احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک واقعہ نقل کیا کہ ان کے شہید ہونے کے بعد بھی ان کے سر کے حصہ سے قرآن پاک کی تلاوت کی آواز ایسی آتی رہی جیسے زبان پڑھتی ہو۔ اِس بات کو سُن کر متوکل محزون اور خوفزدہ ہوا کہ بھائی نے ایسے امام مقرب بارگاہ کو شہید کرکے غلطی کی۔ اتنے میں اس کا وزیر محمد بن عبد الملک بن الزّیّات آگیا۔ اس سے متوکل نے کہا کہ میرے دل میں احمد بن نصر کے بارے میں تردد ہے۔ اس نے جواباً بیان دیا کہ امیر المومنین

واثق نے احمد بن نصر کو مسلمان نہیں بلکہ کافر ہونے کی حالت میں مارا تھا۔ اگر یہ حلف غلط ہو تو اپنے بارے میں کہا کہ خدا آگ میں جلائے۔ پھر ہر ثمہ آیا اُس نے اسی طرح کا حلفیہ اور خود کو بددُعا والا بیان دیا کہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ پھر احمد بن ابی دُوَاد آیا اُس نے بھی اسی طرح کا قسمیہ بیان اور اپنے کو مرضِ فالج کی بددُعا دی ـــــ مگر متوکل کے ذہن میں بات بیٹھ چکی تھی اور اُس کی تقویت ہی ہوتی چلی گئی کہ ماہِ صفر ۲۳۳ھ میں ابن الزیات کو آگ میں ڈال دیا گیا، اور اسی طرح اس کی موت واقع ہوئی۔ اور اسی سال اس واقعہ کے تین ماہ بعد احمد بن ابی دُوَاد کو فالج ہو گیا اور سات سال اسی طرح وہ درسِ عبرت بنا رہا۔ کچھ ہی عرصہ بعد ہر ثمہ مفرور ہو گیا۔ اس کا کہیں قبیلۂ خزاعہ سے گزر ہوا، ایک شخص نے اسے پہچان لیا اور اہلِ قبیلہ سے کہا کہ یہ تمہارے ابن عم احمد بن نصر خزاعی کا قاتل ہے۔ انہوں نے اسے اس طرح قتل کیا کہ اُس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

متوکل بعد میں ان تینوں کی جھوٹی قسم اور اُن پر خدائی عتاب کا ذکر کرنے لگا حتیٰ کہ ۲۴۳ھ میں اس کی اصلاح ہو گئی اور یہ فتنہ بحمد اللہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

متوکل نے ۲۳۷ھ میں عید الفطر کے پہلے یا دوسرے دن احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ کا سر مبارک اُتروایا۔ سُولی سے جُثہ مبارکہ اُتارا گیا جسے ورثاء کے حوالے کر دیا گیا۔ انہوں نے ملا کر مقبرہ مالکیہ میں دفن کیا۔ جنازہ پر لوگوں کا زبردست ہجوم ہوا اور لوگ خوشی سے بے قابو ہو گئے ـــــ اسی فتنہ کے آغاز سے تمام دُنیا کے ائمۂ حدیث، فقہا اور متکلمین نے اس مسئلہ کو تحریراً وضاحت سے بیان کرنا شعار بنا لیا جو آج تک پڑھا پڑھایا جاتا ہے، اور پھر یہ مسئلہ کبھی نہیں اٹھا۔ والحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ ـــــ

آخر میں قرآنِ کریم کی یہ فضیلت بیان کرنی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اُسے بغیر سمجھے ہوئے پڑھنے میں بھی ثواب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الٓمٓ پر ثواب ملتا ہے حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ ان حروف کا ترجمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتلایا، نہ ہی کسی کو معلوم ہے۔ اندازہ لگانا اور اشارات کے نکات پیدا کرنا الگ بات ہے۔ ترجمہ یا تفسیر کا کوئی عالم بھی مدعی نہیں ہے، مگر ان حروفِ مقطعات ہی کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ "میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے،

لاَم اور حرف ہے، مِیم اور حرف ہے" اور فرمایا کہ ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ہے

اس لیے قرآنِ پاک کی تلاوت کی طرف بھی ضرور توجّہ کرنی چاہیے۔ جو مرد عورتیں، اور بچے سمجھ نہیں پاتے اور پڑھ سکتے ہیں وہ جب تک اس خیال سے کہ یہ خدا کا کلام ہے پڑھتے یا سُنتے رہیں گے، انہیں برابر ثواب ملتا رہے گا۔ چاہے ترجمہ سمجھ میں آتا ہو یا نہ آتا ہو۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥

ایک اقتباس

مسلمانوں سے خطاب

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اُن سے میں صاف صاف کہتا ہوں کہ موجودہ زمانے کی بے دین قومی جمہوریّت تمہارے دین و ایمان کے قطعاً خلاف ہے۔ تم اُس کے آگے سرِ تسلیم خم کرو گے تو قرآن سے پیٹھ پھیرو گے۔ اُس کے قیام و بقا میں حصّہ لو گے تو اپنے رسول سے غدّاری کرو گے اور اُس کا جھنڈا اُڑانے کے لیے اُٹھو گے تو اپنے خدا کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرو گے۔ جس اسلام کے نام پر تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو اُس کی رُوح اس ناپاک نظام کی رُوح سے، اُس کے بنیادی اصول اس کے بنیادی اُصولوں سے، اور اُس کا ہر جُزء اُس کے ہر جُزء سے برسرِ جنگ ہے۔ اسلام اور یہ نظام ایک دوسرے سے کہیں بھی مصالحت نہیں کرتے۔ جہاں یہ نظام برسرِ اقتدار ہو گا وہاں اسلام نقش بر آب رہے گا اور جہاں اسلام برسرِ اقتدار ہو گا وہاں اس نظام کے لیے کوئی جگہ نہ ہو گی۔ تم اگر واقعی اُسی اسلام پر ایمان رکھتے ہو جسے قرآن اور محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم لائے تھے۔ تو تمہارا فرض ہے کہ جہاں بھی تم ہو اس قوم پرستانہ لادینی جمہوریّت کی مزاحمت کرو اور اس کے مقابلے میں خدا پرستانہ انسانی خلافت قائم کرنے کے لیے جدّ و جہد کرو۔

از سیّد ابوالاعلیٰ مودودی
جماعت اسلامی کی دعوت

ماہنامہ 'میثاق' کی توسیعِ اشاعت میں تعاون فرمائیے!

دعوت الی اللہ (تاریخ کے آئینے میں)

قسط ۵

مولانا وصی مظہر ندوی

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد الامین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ٥

دعوتِ اسلامی کا چوتھا مرحلہ نصرت ہے، جس طرح پہلے مرحلے کا کام بعد کے مرحلے کے لیے تمہید بنتا ہے۔ اور جس طرح ہر بعد کا مرحلہ پہلے مرحلے کا منطقی نتیجہ ہوتا ہے، اسی طرح نصرتِ الٰہی کا نزول پہلے تین مرحلوں کے کام کا منطقی نتیجہ ہے جس میں کسی تخلف کا امکان نہیں ہے دعوت سے براءت، براءت سے ہجرت اور ہجرت سے نصرت کی طرف کاروانِ حق بڑھتا ہے۔ راہِ حق کے مسافروں کو اللہ کی نصرت پر کامل اعتماد ہونا چاہیے، اس کے بغیر دعوتِ اسلامی کی راہ میں وہ آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار اور نہایت پُرزور الفاظ میں اپنی نصرت اور فتح و کامرانی کی بشارت دی ہے، مثلاً ارشاد ہے: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول بالضرور غالب ہوں گے) دوسری جگہ ارشاد ہے: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (ہم یقیناً اپنے رسولوں کی اور ایمان لانے والوں کی مدد کرتے ہیں) —— اور ایک جگہ فرمایا: وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (اور تم ہی سربلند ہو اگر تم مومن ہو) —— سورہ صف میں ارشاد ہے: وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ (اور ایک دوسری چیز (کا بھی وعدہ ہے) جس سے تم کو محبت ہے، اللہ کی مدد اور قریبی فتح) —— ایک اور مقام پر ارشاد ہے:- اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥ (وہ اللہ کی جماعت ہے، سنو! اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہونے والی ہے) ——

دوسری طرف جماعت کی کامیابی اور ملت کی سرفرازی کے لیے قربانیوں کو بھی ناگزیر قرار

دیا گیا ہے، ارشاد ہے: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (اور ہم تم کو کچھ خوف اور بھوک سے اور مال و جان اور پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے۔) اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ جنّت میں داخلہ شدید آزمائش کے بعد ہی ہوگا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ	یا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنّت میں بس یونہی داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی تک تم پر ویسی آزمائشیں آئی ہی نہیں ہیں، جیسی تم سے پہلے گزرنے والوں پر آئی تھیں۔ اُن کو مصیبتوں اور دکھوں نے گھیرا اور اُن کو ہلا مارا گیا۔ یہاں تک کہ رسول اور اُس کے ساتھی پکار اُٹھے "اللہ کی مدد کب آئے گی!"

ان دونوں قسم کی آیات کو اگر سامنے رکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ فرد کی کامیابی یہ ہے کہ وہ ایمان اور عملِ صالح کے ساتھ دعوتِ اسلامی کے کام میں تن من دھن کی بازی لگا دے، اور حق کی نصیحت کرنے میں جو مشکلات پیش آئیں اُن پر صبر و ثبات کی تلقین کرتا رہے۔ ایسا شخص جس نے زندگی کو اس طرح پر گزارا وہ عند اللہ کامیاب ہے، اس کو ابدی راحت کی جگہ یعنی جنّت میں عیشِ دوام حاصل ہوگا۔ دنیا میں ایسا شخص خواہ فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی گزارے خواہ ظالموں کے ظلم و ستم کا شکار بنے لیکن ضمیرِ انسانیت میں بالآخر اُس کا احترام اور اس کی عظمت نقش ہوگی اور آخرت میں اُس کا اجر بہترین طریقے پر عطا کیا جائے گا۔ اس کے برخلاف ملّت کی اور جماعت کی کامیابی کا مطلب یہ ہے کہ اُس کو دنیا میں عزّت و سربلندی حاصل ہو۔

جماعت یا ملّت کی کامیابی کا انحصار افرادِ ملّت کے ایثار اور قربانی پر ہے۔ اگر ملّت کے افراد دعوتِ اسلامی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ ہوں۔ اگر وہ دعوتِ اسلامی کے جھنڈے کو اخلاص کے ساتھ بلند کریں، اگر اُن کا عمل اُن کے قول کے اور اُن کا کردار اُن کے دعوے کے مطابق ہو۔ اور اگر وہ کفر کے مقابلے میں کم از کم ۱:۱۰ مادّی طاقت بھی جمع کر لیں تو ملّت کو غلبہ اور اقتدار اور فتح و کامرانی حاصل ہوگی۔

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ	اگر تمہاری جماعت میں بیس صابر افراد ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے!

اور فرمایا:

بَلٰٓی اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَ یَاۡتُوۡکُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا یُمۡدِدۡکُمۡ رَبُّکُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَةِ مُسَوِّمِیۡنَ ٥

کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کی صفت سے متصف بن جاؤ۔ اور کفار تم پر اچانک حملہ آور ہو جائیں تو تمہارا رب تمہاری مدد پانچ ہزار نشان لگانے والے فرشتوں کے ذریعے کریگا۔

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو فرد اور جماعت کی کامیابی بظاہر ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ فرد کی کامیابی یہ سمجھی جاتی ہے کہ اس کو عیش و عشرت حاصل ہو، وہ ہر طرح کی تکالیف سے مبرّا ہو، اسے کوئی محنت و مشقّت نہ کرنی پڑے۔ لیکن اگر کسی ملّت کا ہر فرد اسی طرح کا بن جائے تو اس ملّت کی تباہی و بربادی اور نکبت و خواری یقینی ہے۔

اس کے مقابلے میں ملّت کی کامیابی اور کامرانی یہ ہے کہ وہ خوش حال ہو، معزّز ہو، آزاد و خود مختار ہو، صاحبِ غلبہ و اقتدار ہو۔ اور یہ چیزیں ملّت کو اُسی وقت حاصل ہو سکتی ہیں جب فرد اجتماعی مفاد کے لیے ذاتی مفادات کو بلکہ اپنی جان تک کو قربان کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

فرد اور جماعت کی کامیابی کے اس تضاد کو اسلام کے سوا اور کوئی نظام دُور کرنے میں کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ اسلام نے فرد کی کامیابی کا وہ تصوّر دیا جو عین ملّت کی کامیابی ہے۔ چنانچہ اسلام بتاتا ہے کہ فرد کے زمانۂ زندگی کا پُورا پُورا بدلہ اس دنیا میں نہیں مل سکتا۔ اس کی نیکی اور بدی کے اثرات و نتائج اتنے وسیع ہوتے ہیں کہ دنیا کی محدود زندگی، اُس کی جزا و سزا کے لیے ناکافی ہے، لہٰذا فرد کے اعمال کا نتیجہ اُس ابدی زندگی میں برآمد ہوگا، جہاں کی راحت بھی ابدی ہے اور جہاں کی سزا بھی ابدی یا طویل المیعاد ہے۔ اس لیے جو شخص دعوتِ اسلامی کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دے اُسے حضرت خُبیبؓ کی طرح یہ کہنے کا حق ہے کہ: ؎

فلست اُبالی حین اقتل مسلما علیٰ اَیّ مشق کان فی اللّٰہ مصرعی

(تو مجھے کچھ پروا نہیں ہے جبکہ میں اسلام کی حالت میں قتل کیا جارہا ہوں۔ کہ اللہ کی راہ میں مجھے کس پہلو پر قتل کیا جا رہا ہے) فزت برب الکعبۃ (ربِّ کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہوگیا)۔

اب ظاہر ہے کہ جس ملّت کے افراد ایسے جاں نثار ہوں، جو سمع و طاعت کے نظام میں مضبوطی کے ساتھ بندھے ہوئے ہوں۔ جو اگر اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ ہوں تو رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ بھی ہوں۔ اس جماعت کی کامیابی یقینی نہ ہوگی تو پھر کس جماعت کی کامیابی یقینی ہوگی۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اُس کو ساری جنسِ دین پر غالب کر دے اور (اس وعدے کی صداقت پر) اللہ گواہی کے لیے کافی ہے (پھر یہ کہ) محمد اللہ کے رسول ہیں اور اُن کے ساتھی کافروں کے مقابلے میں سخت اور باہم مہربان ہیں۔ تم اُن کو (اللہ کے سامنے) جھکا ہوا اور سجدہ ریز دیکھو گے۔ وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں۔

دعوتِ اسلامی کے اہم مرحلوں اور منزلوں کے اس اجمالی تعارف کے بعد وقت آ گیا ہے کہ ہم اسی کی روشنی میں اپنی تاریخ کی اِن جلیل القدر ہستیوں کے کارناموں کا مطالعہ کریں، جنھوں نے ہر دور میں اللہ کا کلمہ بلند کیا اور دعوتِ اسلامی کے جھنڈے کو اُونچا رکھا۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

دو ذیلی انجمنیں

۱- انجمن خدّام القرآن راولپنڈی و اسلام آباد

معرفت: کرنل (ریٹائرڈ) عبدالغفور شیخ، ۵۰-اے، سٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی

۲- انجمن خدّام القرآن سکھر

معرفت: جناب نجیب صدیقی، سندھ جنرل سٹور، شاہی بازار۔ سکھر

نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں

ڈاکٹر اسرار احمد

ایم بی بی ایس (پنجاب) ایم۔اے (اسلامیات۔کراچی)

کا

ایک اہم خطاب

(ترمیم و اضافے کے ساتھ)

شائع کردہ

مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن۔لاہور

فون ۳۵۲۶۱۱

قیمت فی نسخہ ـــــــ ایک روپیہ پچاس پیسے

(طبع دوم تین ہزار)

ہر مسلمان پر

حسبِ صلاحیت و استعداد

قرآن مجید

کے مندرجہ ذیل پانچ حقوق عائد ہوتے ہیں

- ۱۔ ایمان و تعظیم ——— یہ کہ اُسے مانے۔
- ۲۔ تلاوت و ترتیل ——— یہ کہ اُسے پڑھے۔
- ۳۔ تذکّر و تدبّر ——— یہ کہ اُسے سمجھے۔
- ۴۔ حکم و اقامت ——— یہ کہ اُس پر عمل کرے
- ۵۔ تبلیغ و تبیین ——— یہ کہ اُسے دوسروں تک پہنچائے

ان حقوق سے واقفیت اور آگاہی حاصل کرنے کے لئے
جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی شہرۂ آفاق تالیف

"مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق"

کا مطالعہ اِنْ شاءَ اللہ العزیز بے حد مفید ہوگا

پیش لفظ

اگر مرکزی انجمن خدّام القرآن کی تأسیس اور قیام کی غایت ایک اصطلاح میں بیان کی جائے تو وہ ہے "دعوت رُجوع اِلَی القرآن" یعنی مسلمانوں کو یہ دعوت دینا کہ وہ رہنمائی کے لیے مشرق و مغرب کی طرف دیکھنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید کو جو نورِ ہدایت اور نسخۂ کیمیا ہے، اپنا رہنما و ہادی بنائیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح بنیادوں پر اُستوار کریں جو از رُوئے قرآنِ حکیم یہ ہیں کہ:

- ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور حضورؐ کی تصدیق کریں۔
- ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و تعظیم اور احترام کریں۔
- ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال محبّت کے ساتھ کامل اطاعت کریں۔
- ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی (اقامتِ دین کی جدّوجُہد کرکے حمایت و نصرت کریں۔
- ہم اُس نورِ ہدایت (قرآن مجید) کا اتّباع کریں جس کا حضورؐ اُمّت کو امین بنا گئے ہیں اور اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام معاملات میں اسی مینارِ نور کو راہ نما بنائیں ہماری دُنیوی اور اُخروی فلاح و صلاح اور کامرانی و نجات کا انحصار اسی کتاب اللہ سے وابستہ ہے۔

اسی دعوت کی اشاعت و ترویج کے لیے جناب ڈاکٹر اسرار احمد صدر مؤسس مرکزی انجمن نے جنوری ۷۲ء سے کراچی اور سندھ کے دوسرے چند شہروں میں ماہانہ دوروں کا سلسلہ شروع کیا تھا جو اب بھی جاری ہے لیکن اب ڈاکٹر صاحب موصوف کی دوسری مصروفیتوں میں اضافے کے باعث پابندی کے ساتھ وہ ماہانہ نہیں ہے۔

۱۹۷۳ء کے اوائل میں موصوف نے جامع مسجد ناظم آباد بلاک ۵ میں مجلس اصلاح العمل کے زیرِ اہتمام ایک اجتماع کو خطاب کیا تھا جس میں مدرسہ امدادالعلوم کراچی کے اکابر اساتذہ کرام اور طلبہ کے علاوہ کثیر تعداد میں دیگر حضرات بھی شریک تھے۔

اس خطاب کو ٹیپ کر لیا گیا تھا جس سے منتقل کرکے اس خطاب کو معمولی حک و اضافے

کے ساتھ "نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں" کے نام سے کراچی کی ذیلی انجمن
ربیع الاوّل ۱۳۹۴ھ مطابق مارچ ۱۹۷۴ء میں شائع کیا تھا۔ اُصولاً ہونا یہ چاہیے
تھا کہ اشاعت سے قبل ڈاکٹر صاحب اس مسوّدے پر نظرِ ثانی فرما لیتے لیکن اُس وقت
اس کی مہلت نہ تھی۔ توقع تھی کہ اِس خطاب کی طبعِ ثانی کے موقع پر ڈاکٹر صاحب اِس پر
نظرِ ثانی کر لیں گے۔

اس خطاب کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا تھا اور مختلف حلقوں سے اس
کی مانگ تھی لیکن ڈاکٹر صاحب موصوف کے پیشِ نظر یہ تھا کہ جس طرح انہوں نے اپنے
ایک خطاب کو "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کے عنوان سے مدوّن کیا تھا اِسی طرح
اس خطاب کی بھی "مسلمانوں پر نبی اکرمؐ کے حقوق" کے عنوان سے از سرِ نَو تدوین کریں
لیکن ارادہ کے باوجود ڈاکٹر صاحب اس پر نظرِ ثانی کر کے اس کو حسبِ منشا صورت دینے
کے لیے وقت نہ نکال سکے۔ اب مولا کریم کو منظور ہوگا تو طبعِ ثالث کے موقع پر یہ خطاب
ڈاکٹر صاحب کے پیشِ نظر نقشے کے مطابق شائع ہوگا۔

فی الوقت کتابت کی اغلاط کی درستگی کے بعد اس خطاب کو دوبارہ شائع کیا جا
رہا ہے۔ توقع ہے کہ اِن شاء اللہ اس مختصر کتابچے کے مطالعہ سے قاری کے سامنے غور
و فکر کی بہت سی راہیں کھُل جائیں گی۔ راقم الحروف کو اپنی بے بضاعتی کا اعتراف ہے اگر
اس کتابچے میں کوئی سہو اور غلطی نظر آئے تو اُسے میری کوتاہ علمی پر محمول کیجیے اور اگر کسی
درجہ میں بھی صواب نظر آئے تو وہ مولا کریم کے خصوصی فضل کا رہینِ منّت ہوگا۔

احقر

جمیل الرّحمٰن

فرمانِ نبویؐ

"بَلِّغُوا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً"

"پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک ہی آیت!"

نبیِ اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بُنیادیں

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ
فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ
الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

برادرانِ دین!

ربیع الاول کے مہینہ میں چونکہ نبیِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت ہوئی تھی، لہٰذا اس مہینہ میں خاص طور پر سیرت کی مجالس اور جلسے منعقد ہوتے ہیں جن میں عموماً حضورؐ کی سیرۃِ مطہرہ پر تقاریر ہوتی ہیں، حضورؐ کی خدمت میں سلام پڑھے جاتے ہیں، اور نذرانۂ عقیدت کے طور پر نعتیں بھی پیش کی جاتی ہیں۔ اظہارِ محبت وعقیدت کے یہ طور طریقے اختیار کرکے ہم مسلمانوں کو عام طور پر یہ مغالطہ لاحق ہوجاتا ہے اور ہم یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ہم نے بحیثیت اُمتی اپنی ذمہ داری ادا کردی اور حضورؐ کے جو حقوق ہم پر عاید ہوتے ہیں وہ ہم نے ادا کردیے۔ یہ جھوٹا اطمینان عام طور پر ہمیں اس طرف مائل نہیں کرتا کہ ہم یہ بات معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ از روئے قرآن حکیم نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی حقیقی اساسات اور صحیح بنیادیں کیا ہیں؟ حالانکہ سیرت کی مجالس کا اصل حاصل یہ ہونا چاہیئے کہ ہم یہ سوچیں اور طے کریں کہ نبیِ اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی صحیح نوعیت کیا ہے؟ ہم سے خدا کے ہاں آں حضورؐ کے بارے میں کس بات کا محاسبہ ہوگا؟ کس چیز کی پُوچھ گچھ ہوگی؟ پھر اس علم کی روشنی میں حضورؐ کے ساتھ اپنے

تعلق کو صحیح بنیادوں پر استوار اور قائم کریں۔ جہاں جہاں کمی اور جس جس پہلو سے کوتاہی نظر آئے اس کو پورا کرنے اور دُور کرنے کی کوشش کریں۔ اگر اس کا ارادہ لے کر ہم کسی سیرت کی مجلس میں شریک ہوں اور ایسا کوئی عزم لیکر اُس مجلس سے اٹھیں تو یقیناً وہ فائدہ کی بات ہے، نفع بخش کام ہے، آخرت میں کام آنے والا عمل ہے۔

حضراتِ گرامی! آج کی صحبت میں اسی موضوع پر قدرے تفصیل سے میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں، کہ از روئے قرآن مجید نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی صحیح بنیادیں کیا ہیں؟ اس بات ہی کے لئے میں نے سورۂ اعراف کی ۱۵۷ ویں آیت کا ایک جزو آغاز میں تلاوت کیا تھا۔ یہ پوری آیت نہیں بلکہ آیت کا آخری جزو ہے فرمایا کہ:۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ترجمہ یہ ہے کہ "پس جو لوگ ایمان لائے ان (نبی اکرمؐ) پر اور جنھوں نے ان (نبی اکرمؐ) کی توقیر و تعظیم کی، اور جنھوں نے ان (نبی اکرمؐ) کی مدد اور حمایت کی، انؐ کے کام اور انؐ کے مشن میں انؐ کے دست و بازو بنے اور انؐ کے مقاصد کی تکمیل میں اپنی قوتوں اور صلاحیتوں اور توانائیوں کو کھپایا، اور جنھوں نے اس نور، اور روشنی کا اتباع کیا، پیروی کی جو انؐ کے ساتھ نازل کی گئی ہے۔ تو یہی ہیں وہ لوگ جو خدا کے ہاں فلاح پانے والے کامیاب ہونے والے اور کامران و شادکام ہونے والے قرار پائیں گے"۔

جس آیتِ کریمہ کے آخری جزو کو میں نے پیش کیا ہے، وہ پوری آیت اگر سامنے ہو تو معلوم ہوگا کہ اس میں اصل تخاطب اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے ہے اور ان کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے کہ "یہی وہ الرّسول النبی الاُمّی ہیں جن کے بارے میں پیشین گوئیاں تمہاری کتابوں تورات اور انجیل میں موجود ہیں۔ جن کی خوش خبریاں انبیاء سابقین دیتے چلے آرہے ہیں، ہمارے یہ رسول تمہارے پاس آگئے ہیں یہ تم کو

نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے تم کو روکتے ہیں اور تم نے شریعت کے نام سے اپنے اوپر جو بوجھ لاد رکھے ہیں اور بیڑیاں پہن رکھی ہیں، ان سے تم کو نجات دلا رہے ہیں، تمہارے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام فرما رہے ہیں۔" اس کے بعد اس آیت میں وہ الفاظ آئے ہیں جن کی میں نے ابھی تلاوت کی کہ

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

برادرانِ دین! آیتِ کریمہ کے اس حصہ پر غور کرنے سے یہ ادنیٰ تامل نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی جو چار بنیادیں ہمارے سامنے آتی ہیں، وہ یہ ہیں:-

- پہلی یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا جائے، اُن کی تصدیق کی جائے
- دوسری یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و تعظیم کی جائے۔
- تیسری یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و حمایت کی جائے، اور
- چوتھی یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نورِ ہدایت یعنی قرآن مجید نازل ہوا ہے اُس کا اتباع اور پیروی کی جائے اور اپنی زندگی کے ہر عمل کے لئے اس روشنی کے مینار سے ہدایت و رہنمائی حاصل کی جائے۔

اب میں چاہوں گا کہ ان چاروں بنیادوں کے متعلق علیحدہ علیحدہ کچھ وضاحتیں آپ کے سامنے پیش کروں۔ یہ وضاحتیں کافی تفصیل چاہتی ہیں لیکن میں وقت کی کمی کے باعث کوشش کروں گا کہ اختصار کے ساتھ وہ باتیں بیان کروں جو آپ کے غور و فکر کی راہیں کھول سکیں۔

ایمان | اس آیت کے حوالہ سے جو سب سے پہلی بات ذہن نشین کرنی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی اولین اور بنیادی نوعیت یہ ہے کہ ہم اُن پر ایمان لاتے ہیں اور اُن کی تصدیق کرتے ہیں نیز اُن کو اللہ کا نبیؐ

اللہ کا رسول، اللہ کا فرستادہ، اور اللہ کا پیغامبر تسلیم کرتے ہیں۔ اس اقرار و یقین کا نام ہے "ایمان"۔ یہاں سے ہمارے اور حضورؐ کے مابین ایک تعلق اور ایک رشتہ کا آغاز ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہم میں سے بہت سوں کا آں حضورؐ سے کوئی نسلی تعلق نہ ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے یہاں سادات اور ہاشمی بھی موجود ہوں، لیکن عظیم اکثریت یقیناً اُن لوگوں کی ہوگی جن کا کوئی نسل اور خون کا تعلق نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں ہے، بایں ہمہ ایک تعلق ہے۔ سب سے اہم، سب سے مضبوط تعلق ہے اور وہ تعلق ہے ایمان کا۔ اس یقین کا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول، نبی، پیغمبر ہیں اور جو پوری نوعِ انسانی کے لئے ہادی بنا کر مبعوث کئے گئے، اور جو بنی نوعِ آدم کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجے گئے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ط

حضراتِ گرامی مجھے یقین ہے کہ آپ کو معلوم ہوگا کہ اس ایمان کے دو درجے ہیں، آپ میں سے اکثر حضرات کو ایمانِ مجمل کے الفاظ یاد ہوں گے[1]۔ اس میں دو اصطلاحیں آئی ہیں۔ ایک اقرارٌ باللسان اور دوسری تصدیقٌ بالقلب۔ زبان سے اس امر کا اقرار کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور دل سے اسی بات کی تصدیق اور اسی پر یقینِ کامل رکھنا۔ ان کو آپ ایمان کے دو درجے کہہ لیجئے، دو مراتب کہہ لیجئے، دو پہلو کہہ لیجئے، جب یہ دونوں باتیں باہم دگر ایک وحدت بنیں گی، تب ہی درحقیقت ایمان مکمل ہوگا۔ اگر صرف زبان سے اقرار ہے اور دل سے یقین نہیں تو یہ ایمان نہیں بلکہ اسے نفاق کہا جائے گا۔ مدینہ طیبہ کے منافقین زبان سے حضورؐ پر ایمان لانے کا اقرار کرتے تھے، بلکہ نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے، زکوٰۃ ادا کرتے تھے، لیکن دل نورِ یقین سے خالی تھے۔ دل والا ایمان ان کو حاصل نہ تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا ٹھکانا

---

[1] اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَآئِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ۔ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ۔

جہنم قرار پایا۔ اور جہنم کا بھی سب سے نچلا حصہ۔ اسی طرح کوئی شخص دل میں تو حضورؐ کی رسالت کا یقین رکھتا ہو، لیکن زبان سے اقرار نہ کر رہا ہو تو شریعت کے قاعدہ کی رُو سے وہ شخص کافر قرار پائے گا۔ زبان سے اقرار لازم ہے۔ دنیا میں وہی شخص مسلم قرار پائے گا جو زبان سے اقرار کرے اور کلمۂ شہادت ادا کرے کہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اور آخرت میں وہی مومن قرار پائے گا جو اقرار باللسان کے ساتھ تصدیق بالقلب کی دولت سے بھی مالا مال ہو، جو دل والے یقین کے ساتھ یہ ایمان رکھتا ہو کہ بے شک محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں، اور اُن پر اللہ کا آخری کلام، اللہ کی آخری کتاب نازل ہوئی ہے جو ابدالآباد تک محفوظ رہے گی۔ غرضیکہ اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب لازم و ملزوم ہیں اور ایمان کی تکمیل ان دونوں کے ارتباط و اشتراک سے ہوگی۔

توقیر و تعظیم اب یہ بات خود بخود منطقی طور پر سمجھ میں آجائے گی کہ جب ایمان، یقین قلبی کے درجہ تک پہنچتا ہے تو اس کے چند لازمی مقتضیات عائد ہوتے ہیں۔ جن کے نتیجہ میں چند مضمرات اُبھرنے اور کچھ لازمی اثرات پیدا ہونے چاہئیں ـــــ اس ایمان کا پہلا لازمی نتیجہ تو وہ ہے جو اسی آیت میں ایمان کے ذکر کے بعد آیا ہے۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ "پس وہ لوگ جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور جنھوں نے ان کی توقیر و تعظیم کی"۔ گویا ایمان کا پہلا تقاضہ توقیر و تعظیم ہے۔ جب حضور کے بارے میں یہ یقین حاصل ہو گیا کہ آپؐ ہمارے خالق، ہمارے مالک، ہمارے آقا اور ہمارے پروردگار کے فرستادہ ہیں، اس کے پیغامبر ہیں، اس کے رسول ہیں، ہماری ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اور حضورؐ نے جو کچھ پیش فرمایا ہے ـــــ جو تعلیم دی ہے، جو احکام دیئے ہیں، جو خبریں دی ہیں، جو اوامر و نواہی بتائے ہیں۔ حلال و حرام کی جو قیود عائد فرمائی ہیں، اس میں سے کوئی بات بھی انھوںؐ نے اپنے جی سے پیش نہیں کی ہے بلکہ اللہ کی طرف سے پیش فرمائی ہے، جیسا کہ سورۂ النجم میں فرمایا کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ

اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ "اور یہ رسول اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے ان کا ارشاد صرف وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے" پس معلوم ہوا کہ ایمان کا پہلا فطری اور لازمی نتیجہ حضورؐ کی توقیر، تعظیم، احترام اور ادب ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورۂ حجرات میں اس احترام، ادب، توقیر اور تعظیم کی شرح بیان ہوئی ہے جو مسلمانوں کو ملحوظ رکھنا چاہیئے اور جو مطلوب ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ؁ "اے ایمان والو! مت بلند کرو اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز پر اور نہ اُن سے گفتگو میں اپنی آواز کو اس طرح نمایاں کرو جس طرح تم باہم ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے بلند آوازی اختیار کرتے ہو۔ مبادا تمہارے سارے اعمال حبط اور برباد ہو جائیں، ساری نیکیاں اکارت ہو جائیں۔ اب تک کے کیئے کرائے پر پانی پھر جائے اور تمہیں شعور اور احساس تک نہ ہو" شعور و احساس جب ہوتا ہے جب انسان یہ سمجھے کہ وہ حضورؐ کی کسی نافرمانی کا مرتکب ہو رہا ہے، غور کیجئے کہ یہاں نافرمانی اور معصیت رسول کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوا بلکہ مجرد سُوئے ادب کی وجہ سے سارے اعمال کے حبط ہونے کی وعید سُنائی جا رہی ہے۔ "لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ" حضورؐ کی نافرمانی، حکم عدولی، حضورؐ کی رائے کو پس پشت ڈال دینا، یہ تو بڑی دُور کی بات ہے، یہ سوئے ادب کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز کو محض بلند کر دیا جائے تو اس پر کیسی دھمکی دی گئی ہے، کیسی زبردست تنبیہ کی گئی ہے کہ صرف اس سوئے ادب اور بے احتیاطی کے سبب سے تمام کیئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ سب اعمال اکارت اور سب نیکیاں برباد ہو جائیں گی، اور تمہیں معلوم تک نہ ہوگا کہ تم نے اس بے احتیاطی سے کیا کچھ کھو دیا۔ تمہیں کیسے عظیم نقصان اور خسارہ سے دوچار کر دیا۔ اس لئے کہ تم اس مغالطہ میں رہو گے کہ میں نے کوئی حکم عدولی تو نہیں کی۔

ص اس کے معصیت ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

کسی معصیتِ صریحہ کا ارتکاب تو مجھ سے نہیں ہوا ــــ میں نے اختصار کے ساتھ حضورؐ کی عزت، توقیر اور تعظیم کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے سورۂ حجرات کی یہ آیت آپ کو سُنائی جس سے اُمید ہے کہ یہ بات واضح طور پر آپ کے سامنے آگئی ہوگی کہ ایمان بالقلب کا پہلا لازمی نتیجہ ہے حضورؐ کا ادب، توقیر اور تعظیم ــــ اب اسی ایمان کے دو اور مضمرات ہیں جو میں دو مشہور احادیث کے حوالہ سے آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں، ــــ ان میں سے ایک ہے اطاعتِ رسول اور دوسرا ہے محبتِ رسول۔

اطاعت آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ "تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اُس کی خواہش نفس اس (ہدایت) کے تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں"۔ اِس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ وہ احکام، وہ اوامر و نواہی، وہ شریعت، وہ قوانین و تعزیرات، وہ حدود و قیود اور خدا کے وہ فیصلے جو بذریعہ کتاب (قرآن مجید) اور بذریعۂ سنّت (احادیث) حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمائے ہیں۔ جب تک ان کے لئے کامل اطاعت کا جذبہ اور سرِ تسلیم خم کرنے کی کیفیت قلب میں پیدا نہیں ہوتی اور عمل کی تحریک بیدار نہیں ہوتی اور نفس کی خواہشات کو کچل دینے کا ولولہ نہیں اُبھرتا، تب تک ایمان کا تقاضہ پُورا نہیں ہوتا ــــ پس معلوم ہوا کہ اس ایمان بالقلب کی شرطِ لازم ہے، اطاعت۔ سرِ تسلیم خم کرنا ــــ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں اللہ کی اطاعت کا حکم ملے گا۔ وہاں اللہ کے رسول کی اطاعت کا بھی ساتھ ساتھ ہی حکم موجود ہوگا۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول، اس کا نمایندہ، اس کا فرستادہ مان لیا ہے اور تسلیم کر لیا ہے تو اب تمہارے لئے سوائے اس کے کوئی چارۂ کار ہی نہیں ہے کہ اُن کا ہر حکم تم کو ماننا پڑے گا۔ ہر حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا لازم ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی

یہ سنّت ہے کہ وہ جو رسول بھی بھیجتا ہے، اِس مقصد کے لئے۔ اور اس حکم کے ساتھ بھیجتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، جیسا کہ سورہ النساء میں فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط "اور ہم نے تمام رسولوں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے کہ بحکمِ خداوندی ان کی اطاعت کی جائے"۔ اسی سورۂ مبارکہ میں آگے فرمایا: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ "جس شخص نے رسول کی اطاعت کی، اس نے خدا کی اطاعت کی"۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پاس اپنا حکم دینے کے لئے خود نہیں آتا۔ اُس نے اپنے حکم کو پہنچانے کے لئے نبی اور رسول کو وسیلہ، ذریعہ اور واسطہ بنایا ہے، لہٰذا اب خدا کی اطاعت کا ذریعہ بھی رسول کی اطاعت ہے۔ اسی بات کو حضورؐ نے اس طرح فرمایا کہ "جس نے میری اطاعت کی، اس نے خدا کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے خدا خدا کی نافرمانی کی"۔ (حدیث) نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے لزوم کے لئے سورۂ نساء کی ایک آیت کا حوالہ مزید دوں گا۔ فرمایا: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ "پس نہیں، تیرے رب کی قسم! یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہیں جب تک اپنے نزاعات میں تم ہی کو حَکم نہ مانیں اور جو کچھ تم فیصلہ کردو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس کئے بغیر اس کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کردیں، دل کی پُوری آمادگی اور خوشی کے ساتھ اس فیصلہ کو قبول نہ کرلیں"۔ یہ آیت مبارکہ حضورؐ کے واجب الاطاعت ہونے کے لئے نصِ قطعی ہے۔ رسول محض مان لینے کے لئے نہیں بھیجا جاتا بلکہ وہ اس لئے مبعوث کیا جاتا ہے کہ اس کی کامل اطاعت کی جائے، اس کے تمام فیصلے تسلیم کئے جائیں، اس کے جملہ احکام کی تعمیل کی جائے۔ اس کی سُنّت کی پیروی کی جائے، اس کے نقشِ قدم کو رہنما بنایا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف مرکزِ عقیدت سمجھ لینا ہرگز کافی نہیں بلکہ آپ کو مرکزِ اطاعت تسلیم کرنا ایمان اور توقیر و تعظیم کا لازمی عملی نتیجہ نکلتا ہے۔ اس اطاعت کلی کے بغیر ایمان کا اقرار ایک زبانی دعویٰ تو قرار پائے گا لیکن حقیقی ایمان کے اعتبار سے خدا کے ہاں معتبر نہ ہوگا۔ جیسا کہ اس حدیث شریف میں حضورؐ نے واضح طور پر فرما دیا جو میں نے اس پہلو پر گفتگو کے آغاز میں آپ کو سنائی تھی: کہ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ۔ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش نفس اس ہدایت کی تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں۔"

محبّت | اسی ایمان اور توقیر کا دوسرا لازمی نتیجہ محبت ہے۔ صرف مارے باندھے کی اطاعت، مجبوری کی اطاعت، زبردستی کی اطاعت کسی جابر حکمران اور جابر اقتدار کی بھی کی جا سکتی ہے بلکہ کی جاتی ہے لیکن جب یہ اطاعت رسولؐ کے لئے مطلوب ہو تو وہ مارے باندھے کی اطاعت، مجبوری اور زبردستی کی اطاعت مطلوب نہیں ہوتی بلکہ وہ اطاعت مطلوب ہوتی ہے جو دل کی انتہائی گہری محبت کے ساتھ ہو، دل کی پوری آمادگی کے ساتھ ہو پورے انبساطِ قلب اور شرحِ صدر کے ساتھ ہو۔ یہ مطلوبہ محبت لوازم ایمان میں سے ہے۔ میں نے اس موضوع پر گفتگو کے آغاز میں عرض کیا تھا کہ اطاعت اور محبت کے مضمرات کے بیان کے لئے میں دو مشہور احادیث کے حوالے آپ کے سامنے رکھوں گا۔ اطاعت والی حدیث آپ سن چکے ہیں اب محبت والی حدیث پیش کرتا ہوں۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے محبوب تر نہ ہو جاؤں اس سے اپنے باپ سے، اس کے اپنے بیٹے سے، اور تمام انسانوں سے"

یعنی اگر ایک مومن کے دل میں حضورؐ کی محبت اپنے تمام اعزّہ و اقارب اور تمام انسانوں سے بڑھ کر جاگزیں نہیں ہوئی ہے تو وہ شخص حقیقتاً مومن نہیں ـــــ ان الفاظ میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ بات واضح نہ ہو۔ بلکہ صاف صاف اور دو ٹوک انداز میں ارشاد ہوا کہ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ اگر رسول کی محبت، ان تمام محبتوں پر غالب نہیں آتی تو درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جس معنی میں ایمان مطلوب ہے وہ ایمانِ حقیقی ابھی حاصل نہیں ہوا۔ جو خدا کے ہاں معتبر ہے اور جس کی بنیاد پر اس کی عدالت سے جزا و سزا کے فیصلے صادر ہوں گے۔ اسی موقع پر دل چاہتا ہے کہ وہ واقعہ بھی سنا دوں جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا، ایک مرتبہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے سوال کیا "عمرؓ تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے؟"۔ ذرا اندازہ لگائیے کہ اس طرح کی بھی گفتگو ہوتی تھی، کتنی اپنائیت کا احساس اس گفتگو سے ابھرتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدسؐ اور عمر فاروقؓ کے مابین کس قدر قربِ قلبی اور ذہنی موجود تھا، حضورؐ حضرت عمرؓ سے دریافت فرماتے ہیں کہ "عمرؓ تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے؟"۔ یہ انداز خود بتا رہا ہے کہ یہ سوال اُسی ہستی سے کیا جا سکتا ہے جس کی محبت اور شیفتگی مسلّم ہو ـــــ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ "حضور آپؐ مجھے دنیا کے ہر انسان اور ہر شے سے زیادہ محبوب ہیں"۔ حضورؐ نے پھر دریافت فرمایا کہ "اور خود اپنی جان سے؟" اس پر حضرت عمرؓ نے کچھ توقف کیا اور پھر عرض کیا، "الآن۔ ہاں حضورؐ اب میں یہ بھی کہتا ہوں کہ آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب اور عزیز ہیں"۔ سوچ سمجھ کر جواب دیا، اپنا جائزہ لے کر کہا ـــــ دل کے اندر جھانک کر کہا ـــــ ہمارے نعت گو حضرات کی طرح نہیں کہ زبانی جمع خرچ

پر ہی اکتفا ہو، اور دعویٰ محبت میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے جائیں۔ اِلا ماشاء اللہ ــــ حضورؐ نے فرمایا کہ "ہاں اب تم مقامِ مطلوب تک پہونچے ہو۔ اگر میں تمہیں ہر چیز، ہر انسان یہاں تک کہ اپنی جان سے بھی محبوب تر ہو گیا ہوں تو اب وہ صحیح تعلق پیدا ہوا ہے جو اللہ کو مطلوب ہے۔"

حضراتِ گرامی! اب تک کی میری اس گفتگو کا خلاصہ یہ نکلا کہ نبیِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے از روئے قرآن مجید ہمارے تعلق کی پہلی اساس اور بنیاد ہے۔ "ایمان" اقرارٌ باللسان بھی اور تصدیقٌ بالقلب بھی ــــ دوسری بنیاد ہے "توقیر و تعظیم" اور ان دو بنیادوں کے لوازم میں سے دو اہم لوازم ہمارے سامنے آئے۔ ایک اطاعتِ کلی اور دوسرے محبتِ قلبی ــــ اب اگر مؤخر الذکر دونوں چیزوں کا اجتماع ہو جائے تو ایک نیا لازمہ بن جاتا ہے اور اس کے لئے قرآن کریم کی اصلاح ہے اتباع

اتباع | قلبی یقین، دل کی حقیقی محبت اور طبیعت کی پوری آمادگی اور ایک گہرے قلبی لگاؤ کے ساتھ جب انسان کسی کی پیروی کرتا ہے تو وہ صرف اس حکم کی پیروی نہیں کرتا جو وہ اپنی زبان سے واضح الفاظ میں دے رہا ہو۔ بلکہ وہ اس کی ہر ادا کی پیروی کو اپنے لئے سعادت سمجھے گا، اُس کے چشم و ابرو کے اشاروں کا منتظر رہے گا۔ وہ یہ دیکھے گا کہ میرے محبوب کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند۔ ان کی نشست و برخاست کا طریقہ کیا ہے۔ ان کی گفتگو کا انداز کیا ہے، وہ چلتے کس طرح ہیں، وہ لباس کون سا پہنتے ہیں، انھیں کھانے میں کیا چیز مرغوب ہے ــــ چاہے ان کے بارے میں کبھی کوئی حکم نہ دیا گیا ہو، لیکن جس کے دل میں حقیقی محبت جاگزیں ہو جائے گی۔ جو والہ و شیفتہ ہو جائے گا، اس کے لئے وہ احکام جو الفاظ میں دئے گئے ہوں۔ زبان سے ارشاد فرمائے گئے ہوں، یا وہ کام جن کو

کرنے کی ترغیب وتشویق دلائی گئی ہو۔ وہ تو بہت دُور کی بات ہے وہ تو ہیں ہی واجب التعمیل۔ اس کے لئے تو چشم و ابرو کا اشارہ بھی حکمِ قطعی کا درجہ رکھتا ہے اس کی ہر ہر ادا کی نقالی، اس کے ہر ہر قدم کی پیروی وہ اپنے اوپر لازم کرلیتا ہے گویا:-

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں　　خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

اس طرزِ عمل کا نام ہے "اتباع" جس کی بڑی تابناک مثالیں ہمیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں میں نظر آتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بہت سے واقعات سیر کی کتب میں مرقوم ہیں۔ وہؓ ایک سفر میں حضورؐ کے ساتھ تھے اتفاق سے حضور کا گذر ایک خاص درخت کے نیچے سے ہوا ہے لیکن حضرت ابن عمرؓ نے ہمیشہ کے لئے لازم کرلیا کہ جب کبھی اُس راستہ سے گذرنا ہوا تو وہ اس درخت کے نیچے سے ہوکر نکلے ہیں۔ اسی طرح حجۃ الوداع کے سفر میں حضورؐ نے دورانِ سفر جہاں جہاں پڑاؤ کیا، جہاں جہاں استراحت فرمائی، حوائجِ ضروریہ سے فراغت پائی۔ حضرت ابن عمرؓ نے سفرِ حج میں وہاں وہاں پڑاؤ، استراحت اور رفعِ حاجت کا التزام کیا۔ اگرچہ کوئی حکم نہیں۔ شریعت کے لحاظ سے یہ عمل سنت میں شامل نہیں۔ بلکہ خالص عقلیت پسند (Rationist) لوگ تو شاید اس کو جنون کہیں، ممکن ہے کہ وہ اس کو خواہ مخواہ کا Fanaticism کہیں لیکن یہ معاملہ محبت کا معاملہ ہے عشق کا معاملہ ہے جس میں محبوب کے ہر نقشِ قدم کی پیروی دستورِ محبت میں شمار ہوتی ہے۔ اگر کوئی فنافی الحب رسول ہوجائے تو اس کا طرزِ عمل اور رویہ یہی ہونا چاہیئے۔ یہ دل کا معاملہ ہے اور اس کی قدردانی بھی وہی ہستی فرمائیگی جس کے حکم کے مطابق یہ اتباع لازم کیا جارہا ہو۔ اسی طرح سیر صحابہ میں ایک صحابیؓ کا ذکر ملتا ہے، وہ کہیں دور دراز علاقہ سے آئے ہیں حضورؐ کے ہاتھ پر

مشرف باسلام ہوتے ہیں۔ حضورؐ کو ایک ہی موقعہ پر دیکھا ہے اور اتفاق سے اس وقت حضورؐ کا گریبان کھلا تھا۔ ان صحابیؓ نے پھر ساری عمر اپنے گریبان کے بٹن نہیں لگائے اس لئے کہ انھوں نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی حال میں دیکھا تھا۔ حالانکہ کوئی حکم نہیں، شریعت کا کوئی امر نہیں، کوئی فرض نہیں، واجب نہیں، کسی ادنیٰ درجہ میں بھی حضورؐ کا اشارہ موجود نہیں لیکن یہ محبت کے لوازم میں سے ہے کہ محبوب کی ہر ہر چیز کی پابندی، ہر ہر نقش قدم کی پیروی، اور ہر ہر ادا کی نقالی اپنے اوپر لازم کرلی جائے۔ اس طرزِ عمل کا قرآن مجید کی اصطلاح میں نام ہے۔ اتباع۔

حضرات! اس اتباعِ رسول کا قرآن مجید میں جو مقام ہے اس کو بھی دیکھ لیجئے سورۂ آل عمران کی ۳۱ ویں آیت میں صاف صاف کھول کر کہہ دیا گیا کہ:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ "اے نبی آپ فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، تمہاری خطاؤں کو ڈھانپ لے گا اور اللہ بہت معاف کرنے والا اور محبت رحم فرمانے والا ہے"۔

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا لازمی تقاضہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے۔ اس اتباع کا ایک نتیجہ تو یہ نکلے گا کہ ہم اللہ کی محبت میں پختہ تر اور مضبوط تر ہوتے چلے جائیں گے اور دوسرا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہم اللہ کے محبوب اور اُس کی مغفرت و رحمت کے سزاوار قرار پائیں گے۔ جن کو یہ مرتبہ مل جائے کہ وہ اللہ کے محبوب قرار پائیں اُن کی خوش نصیبی اور خوش بختی کا کیا کہنا!

برادرانِ دین! میں چاہتا ہوں کہ اس مقام تک کی گفتگو کا ایک خلاصہ آپ کے سامنے پھر پیش کردوں، اور آپ سے درخواست کردوں کہ آپ اس بات کو الجبرا کی Equation کی طرح اچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔ ایمان اور

توقیر و تعظیم کی دو اقدار اور دو ناگزیر لوازم ہیں۔ ایک اطاعت کلی اور دوسرے محبت جو ہر چیز کی محبت پر غالب ہو۔ اور جب یہ دونوں جمع ہوں گی یعنی اطاعت کلی اور محبت قلبی تو اس کا نام ہے "اتباع" اور خدا کے ہاں اصلاً یہی مطلوب ہے۔ اس اتباع کا وہ مقام اور مرتبہ ہے کہ جس کا سورۂ آل عمران کی ۳۱ ویں آیت میں ذکر کیا گیا جو ابھی میں نے آپ کو سنائی اور جس کا مفاد یہ ہے کہ "اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا اتباع اپنے اوپر لازم کر لو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ تم اللہ کے چہیتے بن جاؤ گے ـــــ حضرات! اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ان دونوں ناگزیر لوازم اور اساسات میں اگر ایک بھی غائب اور ساقط ہو تو اس طرز عمل سے آخرت میں نجات کی توقع ایک اُمید موہوم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی ایمان کا دعویٰ ہے سارے باندھے کی اطاعت بھی ہو رہی ہے لیکن محبت نہیں ہے۔ دل کی آمادگی نہیں ہے۔ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کی کیفیت نہیں ہے۔ دل میں تنگی ہے۔ اُپرا پٹ ہے، تو اس طرز عمل میں منافقین کے ساتھ ایک مشابہت اور ایک مماثلت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایمان لانے کے وہ بھی مدعی تھے، اطاعت وہ بھی کرتے تھے مجبوراً کرتے تھے۔ اس لئے کہ اس کے بغیر وہ مسلم معاشرہ کے فرد کی حیثیت اختیار کر ہی نہیں سکتے تھے وہ معاشرہ آج جیسا تو نہیں تھا کہ مسلمان کہلانے والے اطاعت تو درکنار رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کا استہزاء کریں۔ جنت و دوزخ اور جزا و سزا کا مذاق اُڑائیں، ملائکہ اور نزول وحی کے منکر ہوں۔ سنتِ رسول کے التزام سے انکار کریں اسلام کے نظامِ زندگی کو ناقابلِ عمل اور اساطیر الاوّلین قرار دیں۔ لیکن پھر بھی مسلمان کہلائیں اور اُن کا شمار مسلمانوں میں کیا جائے۔ اُس معاشرہ کا حال تو یہ تھا کہ جس کسی نے اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرانا تھا، خود کو مسلمان کہلانا تھا، اُس پر لازم تھا کہ اطاعت کرے، اطاعت سے سرتابی ممکن ہی نہیں تھی، نمازیں پڑھے

شعارِ دین کا احترام کرے اور فرائض دین کی ادائیگی کا اہتمام کرے۔ لہٰذا منافقین یہ سارے جتن کرتے تھے بلکہ قسمیں کھا کھا کر اپنے صادق و مخلص ہونے کا حضورؐ کو یقین دلاتے تھے۔ لیکن ان کو جو متاعِ عزیز حاصل نہیں تھی، وہ تھی یقینِ قلبی اور حقیقی و واقعی محبت۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ منافقون میں فیصلہ فرما دیا کہ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اے نبی جب منافق آپؐ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ درحقیقت آپؐ اللہ کے رسول ہیں، چونکہ اُسی اللہ ہی نے تو آپ کو مبعوث فرمایا ہے ـــــ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق بلاشبہ اپنے قول میں جھوٹے ہیں" یعنی ان کی یہ بات تو اپنی جگہ سچی اور صداقت پر مبنی ہے کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں، لیکن چونکہ یہ منافق لوگ دل سے آپ کی رسالت کے قائل نہیں، ان کے دلوں میں آپ کی حقیقی محبت موجود نہیں۔ صرف زبان سے اقرار کرتے ہیں، ان کا باطن کچھ اور ہے اور ظاہر کچھ اور۔ اس لئے یہ جھوٹے ہیں اور ان کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ـــــ پس ثابت ہوا کہ محبت اور یقینِ قلبی کے بغیر اگر اطاعت ہو رہی ہے تو اس میں منافقین کے ساتھ ایک مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر محبت رسول کے دعوے ہیں لیکن اطاعت نہیں۔ فرائض کی ادائیگی نہیں، اوامر و نواہی کی پروا نہیں۔ احکام کا سرے سے کوئی لحاظ نہیں۔ تو یہ طرزِ عمل سراسر معصیت ہے، فسق ہے، فجور ہے۔ یہ دعویٰ محبت خدا کے ہاں سرے سے قبول ہی نہیں ہوگا۔ اس دنیا میں ایسا دعویٰ قبول نہیں ہو سکتا۔ مہمل قرار پاتا ہے کہ ایک طرف محبت کا دعویٰ ہو اور دوسری طرف اطاعت اور رضاجوئی کا سرے سے کوئی اہتمام نہ ہو۔ والد کی محبت کا دعویٰ ہو، لیکن ان کا کہنا نہ مانا جا رہا ہو۔ بلکہ

ہر عمل اور ہر فعل والد کی مرضی کے خلاف انجام دیا جا رہا ہو تو معقول بات یہ ہے کہ بیٹے کے اس دعوئ محبت کو دنیا میں کہیں تسلیم نہیں کیا جائے گا ــــ عشقِ رسول اور محبتِ رسول کے بلند بانگ دعاوی، اور بڑی وجد آفریں نعتیں اور بڑے لمبے چوڑے سلام اور بڑے ہی عمدہ اور شاندار طریقہ سے نکالے ہوئے جلوس اور بڑے ہی اہتمام کے ساتھ منعقد کی ہوئی میلاد کی محفلیں اور مجالسِ سیرت اگر جذبۂ اطاعت سے خالی ہیں۔ پیروی سنت کے جذبہ سے عاری ہیں تو سراپا ڈھونگ ہے۔ فریبِ نفس ہے۔ ان کا کوئی وزن نہیں، اُن کی کوئی حقیقت نہیں۔ خدا کے ہاں ان کی پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں بلکہ یہ سب قابلِ مواخذہ ہیں۔ دو چیزیں، اطاعت اور محبت۔ دونوں یکساں مطلوب۔ دونوں جمع ہوگئیں تو اتباع۔ اطاعت ہے، محبت نہیں تو مشابہت منافقین کے ساتھ۔ محبت کا دعویٰ ہے لیکن اطاعت نہیں ہے تو دعویٰ ناقابلِ قبول، مسترد، اور خارج۔ خدا کے ہاں اس کی کوئی قدر اور وقعت نہیں اور میزان میں اس کا کوئی وزن نہیں ــــ پس حضرات اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارے تعلق کی دو بنیادیں واضح ہوئیں ــــ اب تیسری بنیاد کو لیجئے جو وَنَصَرُوْہُ کی اصطلاح میں بیان ہوئی یعنی جن لوگوں نے حضورؐ کی مدد اور حمایت کی"

نصرتِ رسول | برادرانِ دین! اس موضوع پر آگے بڑھنے سے پہلے یہ بات طے کیجئے کہ رسول کی نصرت و حمایت اور رسول کی مدد کس کام میں اور کس مقصد کے لئے مطلوب ہے ــــ رسالت و نبوت ایک فریضہ منصبی ہے جو خدا کی طرف سے رسول و نبی کو تفویض کیا جاتا ہے۔ بھٹکوں کو سیدھی راہ سوجھانا۔ نیند کے ماتوں کو جگانا۔ شرک کی اندھیاریوں میں سے انسان کو نکال کر توحید کی روشن صراطِ مستقیم پر لا کھڑا کرنا۔ اعمالِ صالح اور مکارمِ اخلاق کا انسان کو خوگر بنانا، انسان پر سے انسان کی خدائی کو ختم کرنا معاشرہ میں سے ہر قسم کے جور و استبداد اور استحصال کا خاتمہ کرنا۔ انسان کو یہ یقین دلانا

کہ ایک دن وہ بھی آنے والا ہے کہ جس روز انسان کو اپنے مالک و آقا اور خالق کے سامنے محاسبہ کے لئے کھڑا ہونا ہوگا۔ یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط اور یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا ط وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝ جس روز کسی کا کوئی بھلا نہیں کر سکے گا، کوئی کسی کے کام نہیں آسکے گا۔ اور جس دن تکوینی حاکمیت کے ساتھ تشریعی حکومت بھی اللہ اپنے ہاتھ میں لے لیگا

جس روز انسان کی اس دنیا کی کمائی اور سعی و جہد کا نتیجہ اُس کے سامنے ہوگا۔ بُرے اعمال اور طغیانی و سرکشی کی پاداش میں جہنم اُس کے سامنے پیش ہوگی۔ اور جس نے اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر جواب دہی کے خوف سے پیش نظر اپنے نفس کے بے لگام گھوڑے کو قابو میں رکھا ہوگا تو جنّت اُس کا ٹھکانا ہوگا :

یَوْمَ یَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰی ۝	جس روز انسان اپنا سب کیا دھرا یاد کرے گا
وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِمَنْ یَّرٰی ۝	اور ہر دیکھنے والے کے سامنے دوزخ کھول
فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ۝ وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ	کر رکھ دی جائے گی، تو جس نے سرکشی کی تھی
الدُّنْیَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ	اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی دوزخ
الْمَاْوٰی ۝ وَاَمَّا مَنْ خَافَ	ہی اُس کا ٹھکانا ہوگا اور جس نے اپنے رب
مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ	کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا تھا اور
عَنِ الْهَوٰی ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ	نفس کو بُری خواہشات سے باز رکھا تھا،
هِیَ الْمَاْوٰی ۝ (النّٰزعٰت)	جنّت اُس کا ٹھکانا ہوگی !

تبلیغ کا بارِ گراں

تبلیغ کا یہ بارِ گراں دعوت کا یہ کٹھن کام، شرک کے اندھیروں کو دور کر کے نورِ توحید پھیلانے کی یہ بھاری ذمہ داری۔ بدمستوں اور مدہوشوں کی اصلاح کا یہ مشکل کام۔ طاغوت سے پنجہ آزمائی اور باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حق کی سربلندی اور بول بالے کے جان جوکھوں کے یہ مراحل طے کرنا۔ یہ تھا وہ بارِ گراں جو رسالت و نبوت سے سرفراز ہونے کے نتیجہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں پر آیا تھا۔ یہ تھے وہ فرائض منصبی جو آنحضورؐ کے سپرد ہوئے تھے۔ چنانچہ

ابتدا ہی میں حضور اکرمؐ کو خبر دے دی گئی تھی۔ اور سورۂ مزمل میں کہہ دیا گیا تھا کہ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝ "ہم عنقریب تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے ایک بھاری بوجھ ڈالیں گے"۔ اور یہ بھاری فرمان اور بھاری بوجھ چند دنوں بعد ہی حضورؐ کے شانوں پر رکھ دیا گیا چنانچہ سورۂ مدثر میں حکم آگیا: یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ "اے کپڑا اوڑھ کر لیٹنے والے! کھڑے ہو جاؤ اور نیند کے ماتوں کو جھنجھوڑو، ان کو خبردار اور چوکنا کرو، ان کو ہوشیار کرو۔ ان کو غلط عقیدہ اور غلط اعمال کے انجام بد سے ڈراؤ۔ اور اپنے رب کی کبریائی کا اعلان کرو۔ نہ صرف اعلان کرو بلکہ اپنے رب کی کبریائی کا عملاً نفاذ کرو۔" تکبیر کے معنی صرف اللہ اکبر کہہ دینا اور بڑائی بیان کر دینا ہی نہیں بلکہ فی الواقع وہ نظام قائم و برپا کر دینا ہے جس میں تشریعی حیثیت سے بھی خدا ہی مقتدرِ اعلیٰ ہو وہی سپریم (Supreme) تسلیم کیا جائے اُسی کا حکم حرفِ آخر ہو۔ اُسی کی مرضی تمام مرضیوں پر حاوی ہو جائے اور سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام کے بقول جس طرح اس کی مرضی آسمانوں میں پوری ہوتی ہے اُسی طرح زمین پر بھی پوری ہو۔ اسی کا جھنڈا تمام جھنڈوں سے بلند تر ہو جائے تاکہ اُسی کی بات سب باتوں پر غالب ہو جائے۔ اور بات تو اللہ ہی کی غالب و بلند ہے۔ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۔ یہ ہے تکبیر رب کا اصل اور حقیقی مفہوم۔ اور یہ ہے وہ قولِ ثقیل، وہ بھاری بوجھ جس کی سورۂ مزمل میں خبر دی گئی تھی۔ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝

برادرانِ دین! جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ تکبیر کے معنی صرف زبان سے اللہ کی بڑائی بیان کرنا نہیں بلکہ اس کے مفہوم میں اپنے رب کی کبریائی کا اعلان اور اس کا عملاً نفاذ بھی شامل ہے۔ کبریائی تو واقعۃً وہ کبریائی ہے جو عملاً نافذ ہو محض کتابوں میں لکھی ہوئی کبریائی تو کوئی کبریائی نہیں۔ محض زبان سے کہہ دینے سے تو کسی کی بڑائی اور کبریائی مسلّم نہیں ہوتی۔ بڑائی اور کبریائی تو دراصل وہی ہے جس کو بالفعل بڑائی

اور کبریائی مانا گیا ہو تسلیم کیا گیا ہو جس کے احکام، جس کی ہدایات اور جس کے اوامر و نواہی کی تعمیل کی جا رہی ہو۔ جس کا آئین اور جس کا قانون عملاً نافذ ہو جو حقیقی طور پر سپریم (supreme) اور (sonereign) تسلیم کیا گیا ہو۔ یہ ہے وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ کا حقیقی مفہوم۔ مدنی دور میں اسی بات کو مزید کھول دیا گیا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم المرسلین النبیین ہیں لہٰذا دعوت و تبلیغ کے ساتھ ہی اظہارِ دینِ حق اور غلبۂ دینِ متین بھی آپ کے فرائضِ رسالت میں شامل ہے اور آپؐ کی بعثت کی غایت اولیٰ ہے۔ چونکہ تا قیامِ قیامت کوئی رسول اور نبی آنے والا نہیں لہٰذا بنی نوعِ انسان پر اتمامِ حجت کے لئے جہاں اللہ نے اپنی آخری کتاب مکمل ہدایت نامے قرآن مجید کی حفاظت کا خود ذمہ لیا[1]، وہاں ضروری ہوا کہ دینِ حق بہ تمام و کمال قائم و نافذ بھی ہو تاکہ انسان کے لئے کوئی عذر پیش کرنے کا موقع باقی نہ رہے اور اتمامِ حجت ہو جائے۔ یہ مضمون مدنی دور کی تین سورتوں میں، سورۂ توبہ، سورۂ فتح اور سورۂ صف میں وضاحت کے ساتھ کھول دیا گیا۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ "وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ (رسول) اس ہدایت اور دینِ حق کو ہر جنس دین (یا کل ادیان۔ نظام ہائے حیات) پر غالب کر دے"۔ یہ ہے وہ بھاری بوجھ جو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں پر رکھا گیا تھا اور صورتِ حال یہ تھی کہ آپؐ پورے عالمِ انسانی میں اس وقت اس دعوت کے علمبردار کی حیثیت سے بالکل تنہا اور اکیلے تھے۔ دنیا کے بت کدہ میں توحید کا غلغلہ بلند کرنا، تکبیرِ رب کا نعرہ لگانا، خدا کی کبریائی کو عملاً نافذ کرنے کی جد و جہد کرنا۔ اظہار و غلبۂ دین کے لئے کشمکش کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا داعی بن کر کھڑا ہونا۔ اعمالِ صالح اور مکارمِ اخلاق کی دعوت کا علم بلند کرنا، ظلم و جور، تعدی و ستم اور استبداد و استحصال کے خلاف سینہ سپر ہونا۔ کوئی آسان کام تو نہیں تھا چنانچہ اسی لئے اسے "قولِ ثقیل" بھاری بوجھ سے

---

[1] اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

تعبیر کیا گیا۔ تکبیر رب کے لئے کھڑے ہونے کا مطلب تھا۔ پورے معاشرہ سے جنگ، اور حضورؐ کو حکم تھا کہ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ اور فرمایا گیا کہ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ اور چاہے مشرکوں کو اور کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہ لوگ جن کے مفادات پر ضرب پڑ رہی ہو، وہ کتنا ہی راستہ روکیں، مزاحمت کریں۔ وہ لوگ جن کی جھوٹی مذہبی قیادتیں خطرہ میں پڑ گئی ہوں، وہ چاہے کتنی مخالفتیں کریں، کتنی ہی صعوبتیں پہنچائیں، ظلم و تشدد کا کتنا ہی بھیانک مظاہرہ کریں، جور و تعدی کے کتنے ہی پہاڑ توڑیں۔ ان تمام مخالفتوں، مظالم اور استبداد کے علی الرغم، ان تمام موانع کے باوجود اور ان شدائد و مصائب کے باوصف نبی اکرم، سرورِ عالم، محبوبِ خدا، رحمت اللعالمین، خاتم المرسلین النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ منصبی میں شامل تھا کہ تکبیرِ رب کا جھنڈا بلند کریں۔ طاغوتی طاقتوں سے پنجہ آزمائی کریں، باطل کی قوتوں سے نبرد آزما ہوں۔ استہزاء اور طعن و تشنیع کے وار سہیں۔ حکم تھا کہ اللہ کی کبریائی کے بالفعل نفاذ اور دینِ حق کے اظہار[1] کے لئے جدوجہد کرو، کشمکش کرو، اور ہر نوع کے استہزاء، طنز و تعریض اور شدائد و مصائب کو انگیز کرو۔ یہ بھاری بوجھ تھا اور یہ بھاری ذمہ داری تھی جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں پر رکھی گئی تھی۔

حضراتِ گرامی! اب آپ خود غور کیجئے، دو اور دو چار کی طرح اس حقیقت کا ادراک فرمالیجئے کہ جو شخص حضورؐ پر ایمان لائے اور اقرار و تصدیق کرے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اس کے لئے لازم ہے کہ اب فریضۂ رسالت و نبوت کی ادائیگی میں تکبیرِ خداوندی کی کٹھن مہم میں، اظہارِ دینِ حق کے جان جوکھوں کے کام میں، دعوت و تبلیغ کے راہ خارزار میں، حق و باطل کے معرکہ کارزار میں اور جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے میدانِ جنگ و جدال میں، وہ حضورؐ کا دست و بازو بنے، سہارا بنے، رفیق و ناصر بنے، حامی کار و مددگار بنے، جہاں حضورؐ کا پسینہ گرے، وہاں اپنا خون بہانے کو اپنے لئے باعثِ فخر و سعادت سمجھے

---

[1] عربی میں اظہار کا مفہوم غلبہ و فوقیت ہے۔ (مرتب)

حضورؐ کے مشن کی تکمیل کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے اور اس بازی میں نقد جان کی نذر گزارنے میں فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی کا ایقان رکھے، اس کا جینا اور مرنا حضورؐ کی دعوت کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ہو، اس کا مال، اسکی صلاحیتیں اور توانائیاں اس دینِ حق کے غلبے کیلئے وقف ہوں جو خالقِ کائنات اور رب العالمین کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔ اگر حضورؐ پر ایمان لانے والوں کا نصب العین اور مقصدِ حیات اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط نہ ہو تو اس کا ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت غیر معتبر ہے، جھوٹ ہے، مغالطہ اور فریبِ نفس ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی تیسری بنیاد نصرتِ رسول ہے۔ لفظ نصرت سے مبادا آپ کو یہ خیال ہو کہ نبی اور رسول کو کسی انسان کی مدد کی کیا حاجت! نبی کا مقام اور اس کا مرتبہ تو یہ ہے کہ اللہ خود ان کا ولی، مولا اور ناصر ہے۔ نبی کی پشت پناہ ملائکۃ اللہ ہیں۔ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ نبی کو تو روح القدس کی تائید حاصل ہوتی ہے لہذا نبی کو اہل ایمان کی مدد و حمایت کی کیا ضرورت! پس اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اس عالم اسباب میں اور عالم تشریعی میں دینِ حق کے غلبہ کی جدوجہد انسانوں ہی کو کرنی ہے، جس کو خلیفۃ اللہ فی الارض کے شرف سے نوازا گیا ہے۔ الہدیٰ اور دینِ حق کے ساتھ اللہ اپنے رسولوں کو مبعوث فرماتا ہے۔ قبولِ حق کی استعداد فطرتِ انسانی میں پہلے سے ودیعت شدہ ہوتی ہے۔ پھر آفاق و انفس میں اللہ کی آیات نبی کی دعوت قبول کرنے میں مددگار ہوتی ہیں۔ نبی اور رسول کی صداقت کے ثبوت کے لئے انزالِ کتب ہوتا ہے، جس کی ایک ایک آیت فرقان مبین اور برہانِ قاطع ہوتی ہے۔ وہ اپنے رسولوں کو حسّی معجزات سے بھی نوازتا اور سرفراز فرماتا ہے۔ لیکن قبولِ حق اور انکار کا فیصلہ کرنے کیلئے وہ انسان کو آزاد چھوڑ دیتا ہے اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا۔ اقامتِ دین، شہادتِ حق، دعوت و تبلیغ کی جدوجہد بہرحال انسانوں ہی کو کرنی ہوتی ہے اور نبی اس دعوت و تبلیغ کا داعیِ اول ہوتا ہے

اور سب سے پہلے رسول ہی دنیا کے سامنے شاہد بن کر کھڑا ہوتا ہے جیسا کہ سورہ احزاب میں فرمایا گیا: "

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۝ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ (احزاب)

اے نبیؐ! ہم نے تمھیں بھیجا ہے گواہ بناکر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بناکر، اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا بناکر اور روشن چراغ بناکر۔

پھر جو لوگ نبی کی دعوت قبول کریں، اُن پر ایمان لائیں، اللہ تعالےٰ عزوجل اس عالمِ اسباب میں ان کو جانچتا ہے، ان کا امتحان لیتا ہے، اس عالمِ علت و علل اور عالمِ اسباب میں اگر دین پھیلے گا تو اللہ پر، رسول پر اور آخرت پر یقین رکھنے والے مومنینِ صادقین کی جانفشانیوں اور سرفروشیوں کے ایثار و قربانی اور جدّ و جہد سے پھیلے گا۔ دنیا میں تشریعی طور پر اللہ کی کبریائی اگر فی الواقع قائم ہوگی تو ان ہی کی کشمکش محنت اور جدّ و جہد اور جہاد و قتال سے قائم ہوگی۔ وہ خاک و خون میں لوٹیں گے راہِ حق میں نقدِ جان کا نذرانہ گزاریں گے تو اللہ کی تائید و نصرت سے اللہ کا دین غالب اور قائم ہوگا۔ یہی سنّت اللہ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ (الصف)

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اسی ابتلا اور کشمکش میں مومنین صادقین کی آزمائش ہے، امتحان ہے۔ اسی سے معلوم ہوگا کہ کون واقعتاً ایمان رکھتا ہے۔ جدّ و جہد اور جہاد و قتال میں، حضور کے مشن کی تکمیل میں سر دھڑ کی بازی لگانے کے عمل کو اللہ نصرت سے تعبیر کرتا ہے، اور یہ نصرتِ رسول ہی وہ کسوٹی ہے جس پر اس عالمِ رنگ و بُو میں سچے اور کھوٹے پرکھے جاتے ہیں، جیسا کہ سورۂ عنکبوت میں فرمایا وَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ ۝ "یقیناً اللہ تعالےٰ کھول کر رکھ دے گا کہ کون حقیقتاً ایمان رکھتے ہیں اور کون جھوٹ موٹ کے مومن بنے پھرتے ہیں جو نفس الامری

کے لحاظ سے حقیقتاً منافق ہیں۔" ایمان و نفاق کا اس دُنیا میں انہی آزمائشوں سے، ان ہی سرفروشیوں سے اور ان ہی جانفشانیوں سے فیصلہ ہوتا ہے۔ رسولؐ کے جھنڈے کو اُٹھایا یا نہیں اٹھایا۔ رسول کے مشن کو اپنی زندگی کا مشن بنایا یا نہیں بنایا۔ محمد رسول اللہ کے منصب رسالت کی تکمیل میں کھپے یا نہیں کھپے۔ دعوتِ الی اللہ کے مراحل میں صبر و استقامت دکھائی یا نہیں دکھائی۔ اگر یہ نہیں تو پھر کچھ بھی نہیں پھر تو رسول پر ایمان کا دعویٰ ناقابلِ قبول، رسول سے محبت کا دعویٰ بھی مسترد، رسول اللہ کی اطاعت کا دعویٰ بھی غیر معتبر اور محض ریا، محض دکھاوا۔ اس لئے کہ آپ خود سوچئے اور ذرا چشم تصور میں لائیے کہ محبوب خدا، سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُحد کے میدان میں جان کی بازی لگا رہے ہیں، اس کشمکش میں رحمۃ للعالمین زخمی ہو گئے ہیں، خود کی کڑیاں سرِ مبارک میں گھس گئی ہیں، رخسارِ مبارک بھی مجروح ہو گیا ہے، دندانِ مبارک بھی شہید ہو چکے ہیں، مقدس خون راہِ حق میں بہہ رہا ہے اور عین اُس وقت کوئی مدعی عشق رسولؐ، مدینہ میں کہیں اپنے گھر میں بیٹھا درود کی تسبیحیں پڑھ رہا ہو، حضور پر سلام پڑھ رہا ہو، حضورؐ کی شان میں نعتیں پڑھ رہا ہو تو یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہو گی۔ کوئی تعلق اور کوئی نسبت ہے اس طرزِ عمل کی اس دعوئے ایمان بالرسول اور دعوی محبتِ رسول کے ساتھ۔ آپ درود کی تسبیح پر تسبیح پڑھے جا رہے ہوں، سلام پر سلام بھیجے جا رہے ہوں اور محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کارزارِ احد میں، خاک و خون کے میدان میں، اس وادیٔ پُر خطر میں جہاں پر ہر چہار طرف موت کا رقص ہو رہا ہو، اپنے جاں نثاروں کے ساتھ خونیں کشمکش اور جدوجہد فرما رہے ہوں، زندگی اور موت کا درس دے رہے ہوں۔ اللہ کے جھنڈے کو تھامنے کے لئے، اس کو سربلند کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا رہے ہوں اور کوئی عاشق رسول کہیں کسی گوشہ میں بیٹھا درود و سلام پڑھ رہا ہو۔ جتنی مضحکہ خیز بات یہ اُس وقت ہوتی، اُتنی ہی مضحکہ خیز بات یہ آج بھی اور اس وقت بھی ہے۔ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ

حضورؐ کا مشن مُردہ نہیں ہوا۔ زندہ ہے، تابندہ ہے، اور تا قیامِ قیامت زندہ رہیگا حضورؐ کی بعثتِ رسالت تا قیامِ قیامت ہے۔ بنی نوعِ انسان آج بھی ہدایتِ ربّانی کے محتاج ہیں۔ دنیا آج بھی طاغوتی شکنجے میں گرفتار ہے اور یہ فرض امتِ مسلمہ کو، بحیثیتِ امت ادا کرنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو بھی خود کو مسلمان سمجھتا ہے اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ بنی نوعِ انسان تک حق کا پیغام پہنچائے۔ حضورؐ کی بعثت صرف اہلِ عرب کیلئے نہ تھی بلکہ پوری بنی نوعِ انسان کیلئے ہے۔ حضورؐ کی بعثت ایک مخصوص زمانہ اور وقت کے لئے نہ تھی بلکہ قیامِ قیامت تک کیلئے ہے۔ توحید کی دعوت دینا، شرک کا ابطال کرنا اور اللہ کے دین کو عملاً غالب، قائم اور نافذ کرنا محمد رسول اللہ کا مقصدِ بعثت تھا۔ جیسا کہ فرمایا

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس آیت کی کامل شان کا ظہور باقی ہے — اس کا ظہور اس وقت ہوگا جب اس پورے کرۂ ارضی پر اسی طرح خدا کے دین کا جھنڈا نہیں لہراتا اور ادیانِ باطل کے جھنڈے سرنگوں نہیں ہو جاتے جس طرح محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تیئیس ۲۳ سال کی محنتِ شاقہ کے نتیجہ میں، شدائد و مصائب، استہزاء و طنز و تعریض شعبِ ابی طالب، سفرِ طائف، ہجرت، بدر و اُحد، احزاب و حُنین اور تبوک کے مراحل سے گزر کر جزیرہ نمائے عرب میں لہراتا تھا اور طاغوتی نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے جب تک یہ کام انجام تک نہ پہنچے، نبی اکرمؐ کا مقصدِ رسالت و بعثت ابھی شرمندۂ تکمیل ہے۔ اور اب کارِ رسالت کی انجام دہی کی ذمہ داری اُمتِ مُسلمہ پر ہے۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

پس اب اُس مدعیِ ایمان، اس عاشقِ رسول اور اُس محبِ رسول کو خوب اچھی طرح اپنے دل میں جھانک کر اپنا جائزہ لینا چاہیئے جیسے حضورؐ کے اس مشن، اس مقصدِ بعثت سے سرے سے کوئی دلچسپی نہ ہو اور اُسے فیصلہ کرنا چاہیئے کہ اس کے ان دعاوی میں کتنی صداقت ہے۔ آج عملاً یہ صورتِ حال رونما ہو چکی ہے کہ

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

یہی وہ صورتِ حال ہے جس کی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

بَدَءَ الاسلامُ غریبًا وسَیَعُودُ کَمَا بَدَءَ فطوبیٰ لِلغرباء	اسلام کی ابتدا غربت کی حالت میں ہوئی اور غربت کی یہ حالت پھر اسلام پر طاری ہوگی تو مبارکباد ہے "غرباء" کے لئے۔

غریب کے صرف اُردو معنی مفلس و نادار کے نہ سمجھیئے بلکہ اس کے مفہوم کو لغتِ حدیث سے معلوم کیجئے۔ جہاں اس کی تشریح اس طرح ملتی ہے "کہ اسلام غربت سے شروع ہوا جیسے غریب مسافر اپنے اہل وعیال سے دُور اور اپنے وطن سے دُور رہ کر تنہائی میں زندگی بسر کرتا ہے، اسی طرح اسلام بھی ابتداء میں غریب اور تنہا تھا، کوئی غم خوار نہ تھا یعنی مسلمان بہت کم تھے۔ ایک زمانہ میں، وہ پھر "غریب" ہو جائے گا۔ کفار، ملحدین اور مبتدعین کی کثرت ہوگی۔ نام کے مسلمان کثیر التعداد ہوں گے، سچے موحد، دین دار متقی افراد کم سے کم ہوتے چلے جائیں گے۔ تو ان کم اور قلیل "غرباء" کے لئے طوبیٰ ہے، یعنی مبارکباد اور بہشت"۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اَلْغُرَبَآءُ الَّذِیْنَ یُحْیُوْنَ سُنَّتِیْ وَیُعَلِّمُوْنَھَا النَّاسَ۔ "غرباء وہ ہیں جو میری سنت کو زندہ کریں گے، اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں گے"۔ اور حضورؐ کی سب سے بڑی، سب سے اہم سُنت سُنتِ دعوت و تبلیغ ہے جس پر

میں انشاء اللہ آگے روشنی ڈالوں گا ـــــ ایک اور روایت میں حضور نے خبر دی کہ

لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ	اسلام میں اس کے نام کے سوا کچھ باقی نہ
وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ	رہے گا اور قرآن میں اس کے حروف کے سوا کچھ نہ رہے گا۔

اس حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اسلام کہیں زمین پر فی الواقع قائم و نافذ نظر نہیں آئے گا۔ کردار اور شخصیتوں میں اسلام کو فی الواقع کارفرما اور موجود دیکھنے کے لئے نگاہیں ترسیں گی۔ قرآن محض ایک مقدس کتاب کی حیثیت سے ریشمیں جزدانوں میں لپیٹ کر رکھ دیا جائے گا۔ اس نورِ ہدایت سے رہنمائی کی طلب مفقود ہو جائیگی تلاوت صرف رسماً اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ حصولِ ثواب یا ایصالِ ثواب کے لئے باقی رہ جائے گی۔

برادرانِ دین! یہ صورتِ حال عملاً پیدا ہو چکی ہے جن کی خبر ان احادیث میں دی گئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے کے لوازم میں سے ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنا جائزہ لے کر فیصلہ کرے کہ اگر حضورؐ سے محبت ہے۔ اگر حضورؐ سے کوئی مخلصانہ تعلق ہے۔ اگر حضورؐ کے ساتھ ہمارا رشتہ صحیح بنیادوں پر قائم ہے تو وہ ہی ہمارا مقصدِ زندگی، مقصودِ حیات اور نصب العین ہے یا نہیں کہ جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت تھا۔ یعنی لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا اور اظہارِ دینِ حق عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ـــ تکبیرِ ربّ، اور اللہ کے دین کو دنیا میں غالب کرنے کی سعی و جہد کرنا اور نورِ توحید سے پورے کرۂ ارضی کو منور کرنے کا عزم اگر ہم میں سے کسی کے مقاصدِ زندگی میں شامل نہیں۔ اگر وہ حضورؐ کے مشن کی تکمیل میں حضور کا دست و بازو نہیں بن رہا حضورؐ کا ساتھی نہیں بن رہا حضورؐ کی راہ کا راہی نہیں بن رہا تو اس کا حضور سے تعلق درست

نہیں جس کی اُسے فکر کرنی چاہیئے — یہ ہے حضورؐ کے ساتھ ہمارے صحیح تعلق کی تیسری بنیاد جو وَنَصَرُوْہُ کی تشریح میں ہمارے سامنے آتی ہے۔

اتباع کا اقتضا اسی نصرتِ رسول کے مسئلہ کو میں "اتباعِ رسول" کے حوالہ سے مزید واضح کرنا چاہتا ہوں۔ اتباع کے معنی ہیں حضورؐ کے نقشِ قدم کی پیروی جو حضورؐ نے کیا، وہ ہم کریں۔ یہ ہے اتباع۔ یہ ہے سنّت پر عمل۔ اب ذرا غور کیجئے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں جو عمل تواتر کے ساتھ ہوا ہے پیہم و مسلسل ہوا ہے جو پورے تیئیس ۲۳ برس ہوا ہے، شب و روز ہوا ہے جس میں ایک لمحہ اور ایک گھڑی کا وقفہ نہیں۔ **وہ عمل کیا ہے؟** نماز کے بارے میں آپ پوچھ سکتے ہیں کہ کب فرض ہوئی؟ رکعتوں کا تعین کب ہوا؟ کب دو تھیں کب چار بنیں؟ کب روزوں کی فرضیت ہوئی؟ زکوٰۃ کا نظام اور مقدارِ نصاب کب متعین ہوا؟ شراب و قمار کب حرام ہوئے؟ سُود کی حرمت کب نازل ہوئی؟ ان سب کے لئے احادیث اور تاریخ سیرت سے اوقات اور زمان متعین کئے جا سکیں گے۔ ان میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک بات متفق علیہ ہے جس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں، کسی قیل و قال کا موقعہ نہیں اور **وہ بات** یہ ہے کہ

> اوّل یوم بعثت سے لے کر اس حیاتِ دنیوی کے آخری سانس تک نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو عمل پیہم کیا ہے، مسلسل کیا ہے، متواتر کیا ہے، شب و روز کیا ہے، جلوت و خلوت میں کیا ہے وہ عملِ دعوت ہے۔ وہ عملِ تبلیغ ہے۔ وہ تکبیرِ رب کی سعی و جہد ہے۔ وہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاد ہے۔ وہ دینِ حق کے سربلند کرنے کی تگ و دو ہے۔ وہ اظہار و اقامتِ دین کے لئے مجاہدہ، کشمکش اور تصادم ہے۔

اس سعی و جہد اور مجاہدہ کی شکلیں بدلی ہیں، صورتوں میں تبدیلی آئی ہے۔ بتدریج مختلف مراحل آئے ہیں، کہیں وہ مکی دور میں دعوت و تبلیغ اور شدائد و مصائب کے برداشت کرنے کے درجہ میں تھی۔ مکہ کی اور طائف کی گلیوں کو چوں میں پتھر کھانے اور استہزاء کے تیر انگیز کرنے کے مرحلہ میں تھی۔ کہیں وہ مدنی دور میں ایک مسلح تصادم، بدر و احد اور خندق کے معرکوں کی صورت میں ہویدا تھی۔ کہیں قبائل عرب اور قرب و جوار کے سلاطین کو وفود و خطوط کے ذریعہ دعوت دینے کے مراحل میں تھی، کہیں صلح حدیبیہ اور فتح مکہ نیز غزوۂ حنین کی صورت میں جاری و ساری تھی۔ لیکن جو عمل تیئیس ۲۳ سال کے عرصہ پر پھیلا ہوا ہے، ہر لمحہ ہر گھڑی اور ہر آن انجام دیا جاتا رہا ہے، وہ ہے **عمل دعوت و تبلیغ**۔ اب جو شخص بھی متبع رسول ہونے کا مدعی ہو جو یہ سمجھتا ہو کہ سنت رسول لازم ہے، اس کے بارے میں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ اس کی زندگی میں سب سے بڑی، سب سے زیادہ متواتر، متفق علیہ اور ثابت شدہ **سنت** کس حال میں ہے؟ دعوت و تبلیغ کی اس کے اندر کتنی تڑپ اور کتنی لگن ہے؟ کتنا رجحان ہے اور وہ اس کام میں کتنا وقت خرچ کر رہا ہے؟ کتنا مال لگا رہا ہے؟

متفقہ سنت رسول میری اس گفتگو سے مجھے امید ہے کہ یہ بات آپ پر واضح ہو گئی ہوگی کہ وہ **سنت** جس کے بارے میں سرے سے کوئی اختلاف نہیں اور نہ اختلاف کی کوئی گنجائش ہے۔ وہ سنت، **سنت دعوت و تبلیغ** ہے وہ مجاہدہ فی سبیل اللہ ہے۔ وہ تکبیر رب کی عملی جد و جہد ہے۔ وہ غلبۂ دین کی سعی و کوشش ہے۔ وہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے سر فروشی اور جاں نثاری ہے۔ اسی سنت میں جان و مال کھپانا ہے۔ صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کرنی ہیں۔ اسی کو مقصد حیات قرار دینا ہے۔ اگر یہ نہیں تو اطاعت، محبت اور اتباع کے

تمام دعاوی غلط ثابت ہوں گے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں اور اُسی بات کا اعادہ کرتا ہوں کہ حضورؐ کا مشن زندہ ہے۔ حضورؐ کا مقصدِ بعثت تابندہ ہے لیکن اُسے شرمندۂ تکمیل کرنے کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔ یہ مرحلہ طے کرنا، اس کے لئے جدوجہد کرنا، محنتیں کرنا، ہر اس شخص پر لازم ہی بلکہ فرض ہے جو حضورؐ کے ساتھ مخلصانہ تعلق رکھتا ہو۔ یہ کام ہم کو، آپ کو، سارے مسلمانوں کو کرنا ہوگا۔ اسی مقصد کو اپنا نصب العین اور مقصودِ اولین سمجھنا اور بنانا ہوگا۔ اسی کے لئے اپنی تمام صلاحیتوں توانائیوں کو وقف کرنا ہوگا۔ اسی طرح وہ تقاضا پورا ہوگا جو وَنَصُرُوْہُ کے حوالے سے ہمارے سامنے آتا ہے۔

نصرت کا قرآن میں مقام اسی نصرت کو قرآن مجید کے ایک اور حوالہ سے بھی سمجھ لیجئے۔ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قول نقل ہوا ہے کہ آنحضرتؑ نے اپنے حواریوں سے دریافت فرمایا مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ "خدا کی راہ میں میرا مددگار کون ہے"؟ تکبیرِ رب، دعوتِ توحید، ہدایت کی توسیع، نورِ خداوندی سے دنیا کو منور کرنے کا کام میرے سپرد ہوا ہے۔ اس مشن کے لئے میں نے جدوجہد کرنی ہے۔ اب کون ہے جو اس راہ میں میرا ساتھ دینے؟ کون ہے جو میرا دست و بازو بنے؟ حواریوں کے جواب کو قرآن مجید یوں نقل فرماتا ہے "قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ"۔ "حواریوں نے کہا ہم ہیں اللہ کے انصار۔ اللہ کے مددگار"۔ جواب میں نصرت کی نسبت بدل گئی۔ حضرت مسیحؑ نے دریافت کیا تھا مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ط جواب میں کہلوایا گیا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ ط اس نسبت کی تبدیلی میں حکمت ہے، رسول کی نصرت خدا ہی کی نصرت ہے، اس کو یوں سمجھیے کہ غلبۂ دین جو مقصودِ حقیقی ہے، اس کو غالب کرنے کی کوشش کرنا رسول کا بحیثیت رسول فرضِ منصبی ہے۔ اب اس فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں جو شخص رسول کا حامی، مددگار اور دست و بازو بنتا ہے، اپنے آپ کو کھپاتا ہے، جانفشانی اور سرفروشی کا مظاہرہ کرتا ہے، وہ اللہ کے رسول کی نصرت بھی کر رہا ہے

اور خدا کی نصرت میں بھی لگا ہوا ہے۔ پس اللہ کے دین کے غلبہ کی جدوجہد کو اللہ اپنی اور اپنے رسول دونوں کی نصرت سے تعبیر فرماتا ہے۔ یہاں وَنَصَرُوْهُ کا بیان ختم ہوا۔ اب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی چوتھی صحیح بنیاد کا ذکر شروع ہوتا ہے اور وہ ہے نورِ قرآن مجید کو حرزِ جان بنانا، رہنما قرار دینا اور اس نور کا اتباع کرنا۔

اتباعِ قرآن مجید فرمایا وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ "اور اتباع کیا۔ اس نور کا جو ان (نبی اکرمؐ) کے ساتھ یا اُن پر نازل کیا گیا"۔ یہ نورِ قرآن یہ نورِ کتاب، یہ نورِ ہدایت جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، اس کا اتباع لازم ہے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جو تین اصطلاحات پہلے بیان ہو چکیں۔ یعنی اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ تو وہ انتہائی جامع تھیں۔ اب اس کا مزید اضافہ کس مقصد کے لئے کیا جا رہا ہے کہ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ۔ یہ اس لئے ضروری تھا کہ نبی اکرمؐ بہرحال اس دنیا سے تشریف لیجانے والے تھے۔ ایک مدتِ معینہ ہی تھی جس میں صحابہ کرامؓ کو حضورؐ کے وجود قدسی کی معیت اور صحبت حاصل رہنی تھی

آنحضورؐ کی اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ابدالآباد تک کے لیے جس چیز کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشین اور قائم مقام بنایا گیا ہے قرآن مجید، فرقانِ حمید، کتابِ مبین، نورِ خداوندی، اللہ کا کلام یہ وہ نور ہے جو دائم و قائم ہے اور جو محمد رسول اللہؐ کے ساتھ اترا۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے خطبہ میں حضورؐ نے جو آخری بات فرمائی ہے وہ اسی قرآن مجید کے متعلق ہے مسلم شریف کی روایت میں خطبہ حجۃ الوداع کے اختتامی اور آخری الفاظ یہ ہیں :—

وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا۔ كِتَابَ اللّٰهِ	اور میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں جس کا سرشتہ اگر تم مضبوطی سے

تھامے رکھو گے تو تم ابد (کبھی) گمراہ نہیں ہوگے، وہ چیز ہے کتاب اللہ	

اِس سے قبل کہ میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کے بارے میں کچھ عرض کروں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس ارشادِ گرامی کا موقع اور محل اچھی طرح سمجھ لیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اکرمؐ نے یہ محسوس فرما لیا تھا کہ آپ کشمکشِ حیات کی آخری منزلیں طے فرما رہے ہیں۔ اس احساس کا اظہار پورے خطبہ میں موجود ہے، بلکہ خطبہ کا آغاز ہی آپؐ نے ان الفاظ سے فرمایا:۔

اَیُّھَا النَّاسُ اسْمَعُوْا قَوْلِیْ، فَاِنِّیْ لَا اَدْرِیْ لَعَلِّیْ لَا اُلْقَاکُمْ بَعْدَ عَامِیْ ھٰذَا بِھٰذَا الْمَوْقِفِ اَبَدًا	لوگو! میری بات غور سے سنو کیونکہ شاید اس سال کے بعد اس مقام پر میں تم سے پھر نہ مل سکوں۔

چنانچہ اس خطبہ میں حضورؐ کے ارشادات کا انداز وصیت کا سا ہے یعنی ان امور کی تاکید جن کی دین و شریعت میں اساسی حیثیت ہے۔ اسی خطبہ میں حضورؐ نے آخر میں تاکید فرمائی کہ میرے بعد قرآن کو تھامنا، اسے حرزِ جان بنانا، اُس سے چمٹنا، میں تم کو بے یار و مددگار چھوڑ کر نہیں جا رہا۔ میں تمہاری ہدایت اور تمہاری رہنمائی کے لئے اپنے پیچھے اللہ کی کتاب چھوڑے جا رہا ہوں۔ نورِ الٰہی چھوڑے جا رہا ہوں، جو تمہیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر توحید کی صراطِ مستقیم کی طرف لے جائے گا۔ اگر تم اس قرآن کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔

حبل اللہ ہی اللہ کی کتاب ہے جس کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حَبْلُ اللّٰہِ قرار دیا۔ قرآن مجید میں سورۂ حج کے آخر میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ "خدا کے ساتھ چمٹ جاؤ" خدا کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ" سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ خدا سے کیسے چمٹیں، خدا کے دامن سے کیسے وابستہ ہوں؟ سورۂ آلِ عمران میں اس کو مزید کھولا گیا۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ "اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے

تھامو۔ اللہ کی رسّی کے ساتھ چمٹ جاؤ۔" پھر ایک اشکال رہ گیا کہ حبل اللہ سے کیا مراد ہے ——— کیسے تھامیں؟ کس سے جُڑیں؟ اس کی شرح و توضیح نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ اور وحی غیر متلو کے ذریعہ خبر دے رہے ہیں کہ اللہ کی یہ کتاب، قرآن مجید ہی درحقیقت اللہ کی وہ مضبوط رسّی ہے جس سے اعتصام کا، چمٹ جانے کا، جُڑ جانے کا اور جس کو تھام لینے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ قرآن مجید کے متعلق حضورؐ نے فرمایا هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ یہ ایک بڑی مفصل اور مشہور حدیث کا ایک جُز ہے جس کے راوی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور جس میں قرآن مجید کی عظمت و شوکت اُس کے مرتبہ و مقام اور اس کی اہمیت کا بیان ہوا ہے؛ اسی طویل حدیث میں حضورؐ کا یہ ارشاد بھی مذکور ہے کہ "قرآن مجید وہ کتاب ہے جس سے علماء کبھی سیری محسوس نہیں کریں گے، یعنی اس کتاب پر کبھی باسی پن طاری نہیں ہوگا۔ نہ کثرت اور تکرار تلاوت سے اس کے لطف میں کوئی کمی آئے گی اور نہ ہی اس کے عجائبات ختم ہوں گے۔" یعنی نئے نئے علوم و معارف کا خزانہ کبھی ختم ہو سکے گا "— وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يُخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا تَنْقَضِيْ عَجَائِبُهٗ —— اسی حدیث میں قرآن مجید کے متعلق حضورؐ فرماتے ہیں کہ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ — اور اسی کو اللہ تعالیٰ اس طرح بیان فرما رہا ہے وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا تھا کہ قرآن کو مضبوطی سے تھامو گے تو ناابد گمراہ نہیں ہو گے۔ جیسا کہ میں پہلے آپ کو خطبہ کا آخری حصّہ مسلم شریف کے حوالہ سے سُنا چکا ہوں۔ بدقسمتی سے اسی حبل اللہ سے ہم اپنا تعلق توڑتے چلے گئے۔ جب مضبوطی سے حبل اللہ کو تھامنے کا نتیجہ گمراہی سے حفاظت تھی تو لازماً اس کو چھوڑنے کا نتیجہ گمراہی ہونا چاہیئے۔ اپنی تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھیئے آپ کو واضح طور پر نظر آئے گا کہ جب تک مسلمانوں نے قرآن کو مضبوطی سے

تھامے رکھا، اسی کو اپنا ہادی و رہنما حقیقی معنوں میں سمجھا، اُسی پر اپنے سارے عمل، اخلاق اور معاملات کا انحصار رکھا تو انفرادی اور اجتماعی طور پر ان کا رعب اور دبدبہ قائم رہا، دنیا میں وہ سربلند اور غالب رہے، اور اسلام کا جھنڈا چہار دانگِ عالم میں لہراتا رہا۔ لیکن جیسے جیسے وہ کتاب اللہ سے بے پروا ہوتے چلے گئے اور نورِ حکمت کے اس خزینہ سے بے نیاز ہوتے چلے گئے ویسے ویسے ان پر زوال آتا چلا گیا: وہ فساد اور انحطاط میں مبتلا ہوتے چلے گئے۔ مغلوب و مقہور ہو گئے۔ اُن کے عقائد خراب ہوئے، اعمال بگڑے، اور ان میں بدعات اور ہوائے نفس کو قبضہ جمانے کا موقعہ مل گیا ——— ان کا اتحاد پارا پارا ہوا اور وہ بنیانِ مرصوص کے بجائے فرقوں میں، گروہوں میں، قومی و نسلی اور لسانی و جغرافیائی تفریقوں میں تقسیم ہو گئے ——— قرآن سے ہمارا جو حقیقی تعلق ہونا چاہیئے، وہ ترک ہو چکا۔ اب ہمارا اس سے تعلق اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم اسے حصولِ برکت کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں، ہم میں سے گنتی کے چند لوگ اس کی تلاوت کرتے بھی ہیں تو سمجھنے اور اخذِ ہدایت کے لئے نہیں بلکہ حصولِ ثواب کے لئے بلکہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ اب تو حصولِ ثواب کا معاملہ بھی ختم ہوا۔ اب تو صرف ایصالِ ثواب کی مجالس کے لئے قرآن خوانی رہ گئی ہے۔ اپنے لئے بھی اب ہم قرآن کے ثواب کی کوئی خاص حاجت محسوس نہیں کرتے۔ اب تو قرآن مجید گویا صرف مُردوں کو ایصالِ ثواب کا ذریعہ بن کر رہ گیا ہے۔ بقول علامہ اقبال

بآیاتش ترا کارے بجز ایں نیست
کہ از یٰسین او آساں بمیری

سورۂ فرقان میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک استغاثہ نقل فرمایا ہے:-

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ — اور کہا رسول نے اے میرے رب۔ میری

اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا، نظر انداز کر دیا تھا

علامہ اقبال مرحوم نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے :

خوار از مہجوری قرآں شدی — شکوہ سنج گردش دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ — در بغل داری کتاب زندۂ

اگرچہ اس آیت کے سیاق و سباق کے لحاظ سے اس میں اصلاً تذکرہ ان کفار کا ہے جن کے نزدیک قرآن مجید سرے سے کوئی قابل التفات چیز ہی نہیں تھی اور جو قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام اور وحی ربانی تسلیم ہی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ قرآن کے وہ ماننے والے بھی اس کے ذیل میں آتے ہیں جو عملاً قرآن کے ساتھ عدم توجہ و التفات کی روش اختیار کریں اور اسے اپنی زندگی کا لائحۂ عمل نہ بنائیں وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَهٗ۔ اس حصہ میں "اتباع" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں، پیروی کرنا۔ ہر حکم، ہر ہدایت، ہر امر اور ہر نہی کی تعمیل کرنا۔ ہمارا قرآن کے ساتھ یہ تعلق ہوگا تو ہم گمراہی سے محفوظ رہ سکیں گے جیسا کہ حضور نے حجۃ الوداع میں فرمایا تھا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا۔

حضرات! کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنے۔ اس کو اپنی زندگی کے ہر معاملہ میں ہادی، حکم اور رہنما قرار دینا، اس کی تعلیمات پر عمل کرنا، اس کی صبح و شام تلاوت کرنا، اس میں تدبر اور غور و فکر کرنا، اس کو حرزِ جان بنانا، اس کا اتباع کرنا، یہ ہے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے از روئے قرآن مجید ہمارے صحیح تعلق کی چوتھی بنیاد۔ اگر ہم اس کتاب سے جڑے تو محمدؐ سے جڑ گئے اور اس سے کٹے تو محمدؐ سے کٹ گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

قرآن مجید کی اہمیت کے بارے میں ایک حدیث شریف مزید سناتا ہوں

جو حضرت عبیدہ ملیکی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جس کے مطابق آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

يَآ أَهْلَ الْقُرْآنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ وَاتْلُوهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ مِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَافْشُوهُ وَتَغَنَّوْهُ وَتَرَنَّمُوهُ وَتَدَبَّرُوا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

اے قرآن والو! قرآن کو بس اپنا تکیہ ہی نہ بناؤ بلکہ دن اور رات کے اوقات میں اس کی تلاوت کیا کرو۔ جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے اور اس کو (چہار دانگ عالم) میں پھیلاؤ اور اس کو خوش الحانی سے حظ لیتے ہوئے پڑھا کرو اور اس میں تدبر، غور و فکر کیا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

اس حدیث مبارک میں مسلمانوں کو حضورؐ نے خطاب دیا ہے۔ "یَآ اَھْلَ الْقُرْآن" یہ خطاب ہم وزن ہے اُس خطاب کے جو قرآن یہود و نصاریٰ کو دیتا ہے۔ "یَآ اَھْلَ الْکِتَابِ" ـــ الکتاب کا آخری، مکمل اور جامع ایڈیشن ہے "القرآن" ہے جس کی حامل اُمتِ مسلمہ ہے۔ اس لئے حضورؐ نے ہمیں خطاب دیا "یَآ اَھْلَ الْقُرْآن" سبحان اللہ کتنا پیارا خطاب ہے جو اس امت کو ملا ـــ میں اس سے قبل بھی کسی تقریر میں عرض کر چکا ہوں اور اب پھر اعادہ کر رہا ہوں کہ ہماری بہت سی غلطیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جن لوگوں نے غاصبانہ طور پر اپنے لئے یہ نام "اَھْلَ الْقُرْآن" اختیار کیا ہم نے بھی اُن کو اسی نام سے پکارنا شروع کر دیا۔ حالانکہ یہ نام انھوں نے اپنے انکارِ حدیث پر پردہ ڈالنے کے لئے اختیار کیا تھا۔ اُن کا اصل نام ہونا چاہئے تھا "منکرینِ سنت" "منکرینِ حدیث" ہماری یہ بڑی نادانی ہے کہ ہم نے ان کے اس قبضۂ غاصبانہ کو تسلیم کر لیا اور ان کو یہ نام الاٹ کر دیا۔ حالانکہ اہلِ قرآن وہ نہیں، ہم ہیں۔

اس حدیث کے ایک ایک لفظ پر غور کیجئے کتنے جامع ہیں یہ الفاظ۔ جن میں مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق کا کمال اختصار کے ساتھ احاطہ کر لیا گیا ہے۔ فرمایا یَآ اَھْلَ

الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ "اے اہلِ قرآن اس قرآن کو تکیہ نہ بنا لینا" تکیہ کمر کے پیچھے رہتا ہے لہٰذا ایک مطلب تو یہ ہوا کہ اس قرآن کو پسِ پشت نہ ڈال دینا۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس قرآن کو محض ایک سہارا نہ بنا لینا۔ کہ بس اپنے ذہن میں اس کتاب کی تقدیس کا ایک گوشہ کھول رکھا ہے۔ اچھے سے اچھے جزدان میں اُونچے طاق پر رکھ چھوڑا ہے اور سمجھ لیا ہے کہ اس کی موجودگی باعثِ برکت ہے۔ نیز اس سے عملی تعلق بس اتنا باقی رہ گیا ہے کہ کہیں قسم کھانے کی ضرورت پڑی چاہے وہ جھوٹی قسم ہو تو اس کتاب اللہ کی آڑ میں کھائی جائے گی۔ جھوٹی شہادتوں کے لئے اس کی آڑ لی جائے گی۔ میں نے اشارتاً ایک لفظ کی کچھ شرح کی ہے۔ آپ اس حدیث کے ایک ایک لفظ پر غور کیجئے معارف کا ایک سمندر ہے جو ہر لفظ میں آپ کو موجزن نظر آئے گا۔

حضرات! اللہ کے اس نور کا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے ہم کو ملا تھا۔ (اُنْزِلَ مَعَهٗ) ہم نے اتباع چھوڑ دیا تو اس کا اس دنیا میں یہ نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ ہم دنیا میں رسوائی کا ایک عبرتناک مرقع بنے ہوئے ہیں۔ رہا عذابِ اُخروی، تو اس کے سزاوار بننے میں بھی ہم نے کوئی کسر اُٹھا نہیں چھوڑی ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم، اس کی رحمت دستگیری فرمائے تو دوسری بات ہے ــــ اللہ اکبر! کیسی صادق آتی ہے ہمارے حال پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ جس کو حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتٰبِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ ۔ اللہ تعالیٰ اس کتابِ عزیز کی وجہ سے کچھ قوموں کو عزت و سربلندی عطا فرمائے گا، اور دوسروں کو (اس کتابِ ہدایت کو چھوڑنے کے باعث) ذلت و نکبت سے دوچار فرمائے گا۔ وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر اور "ہم" خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ ۔ آیت کے اس حصہ پر غور کیجئے۔ آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اس میں ایمان بالرسالت، توقیر و تعظیم رسول

اور نصرتِ رسول کی ان تینوں بنیادوں کا بھی پوری طرح احاطہ کر لیا گیا ہے جو پہلے بیان ہوئیں اور اسی طرزِ عمل اور اسی روش کو اللہ تعالیٰ نے فوز و فلاح کا ضامن قرار دیا ہے، چنانچہ اس آیت کے آخر میں فرمایا: وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ آیت کے اس حصے سے صاف طور پر مترشح ہے کہ فلاح و صلاح اور نجات، نبی اکرم ﷺ سے تعلق کی ان چار بنیادوں کی دُرستگی پر موقوف ہے۔

حضرات! اس موضوع پر گفتگو ختم کرنے سے قبل میں آپ سے یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ میرے نزدیک مسلمانوں کی زبوں حالی، ان کا زوال اور انکی رُسوائی دراصل قرآن مجید سے بُعد کا نتیجہ ہے۔ یہی بات بلند پایہ علمائے اسلام اپنی تقریر و تحریر میں کہتے چلے آئے ہیں، جن میں سے ایک بزرگ ہستی کا حوالہ میں اس وقت پیش کروں گا جو مجھ سے لاکھوں درجہ بلند و برتر شخصیت ہیں اور وہ ماضی بعید کی شخصیت نہیں بلکہ ماضی قریب کی ایک مسلمہ محترم شخصیت ہیں۔ اور وہ ہیں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ — پہلی جنگِ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے دوران حکومتِ برطانیہ نے شیخ الہندؒ کو مالٹا میں اسیر کر دیا تھا۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی تالیف "وحدتِ امت" میں لکھا ہے کہ شیخ الہندؒ جب اسارتِ مالٹا سے واپس آئے تو ایک دن دارالعلوم دیوبند کے اکابر اور علماء کو شیخ الہندؒ نے جمع کیا اور فرمایا کہ

"میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک اُن کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی بستی قائم کیے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے رُوشناس کرایا جائے، اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے

لیے آمادہ کیا جائے۔ اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔"

حضرات! میں شیخ الہندؒ کی تشخیص کو صدفی صد صحیح سمجھتے ہوئے اور موجودہ تمام حالات کا تجزیہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ جو لوگ حقیقی معنوں میں اسلام کی روشنی میں پاکستان میں اصلاحِ احوال کے آرزو مند ہیں ان کی تمام توجہ اللہ تعالیٰ کی اس کتابِ عزیز کی خدمت کی طرف مرتکز ہو جانی چاہیئے۔ قرآن مجید کو پڑھنے اور پڑھانے، سمجھنے اور سمجھانے، اسکو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنانے کی دعوت کو کامیاب کرنے کیلئے اپنی بہترین عملی جد و جہد اور قوتوں کو صرف کرنا اگر ہمارا نصب العین بن گیا اور ہمارے معاشرہ میں یہ بات ایک تحریک کی صورت میں چل نکلی تو جملہ مسائل حل ہوتے چلے جائیں گے۔ ایمان و یقین اسی کتاب اللہ سے حاصل ہوگا عقائد اسی سے درست ہوں گے، جاہلیت قدیمہ و جدیدہ کا ابطال اسی فرقانِ حمید سے ہوگا۔ شرک و بدعت کے اندھیرے اسی نورِ ہدایت کی فیضا پوشی سے دور ہوں گے عمل و اخلاق کی اصلاح اور ان میں تبدیلی اسی کی تعلیمات سے ہوگی۔ معاملات سنوریں گے تو اسی کتابِ مبین کی رشد و ہدایت سے سنوریں گے۔

ہمارے ملک میں اسلامی نظام بھی اسی حبل اللہ کے اعتصام اور اس سے تمسک کے نتیجہ میں قائم و نافذ ہوگا۔ اس کے سوا اصلاح اور تبدیلی کی کوئی صورت میرے نزدیک ممکن نہیں اس کام کو شریعت میں کیا مقام حاصل ہے؟ اس کو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تین احادیث سے سمجھیئے، پہلی کے راوی ہیں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما صحیح بخاری میں مروی ہے کہ آں حضورؐ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ

(تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھتے اور سکھاتے ہیں)

دوسری حدیث طبرانی کبیر میں حضرت جبیرؓ ابن مطعم سے مروی ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلَيْسَ تَشْهَدُوْنَ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم اس کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّ الْقُرْاٰنَ جَآءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؟ قُلْنَا : بَلٰی قَالَ : فَاَبْشِرُوْا فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ طَرَفُهٗ بِيَدِ اللّٰهِ وَطَرَفٌ بِاَيْدِيْكُمْ فَتَمَسَّكُوْا بِهٖ فَاِنَّكُمْ لَنْ تَهْلِكُوْا وَلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا ط

معبود نہیں، وہ تنہا ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ قرآن اللہ کے پاس سے آیا ہے؟ ہم نے عرض کیا یقیناً! تب آپ نے فرمایا پس تم خوشیاں مناؤ۔ اس لئے کہ اس قرآن کا ایک سرا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں۔ پس اسے مضبوطی سے تھامے رکھو! (اگر تم نے ایسا کیا) تو تم اس کے بعد نہ کبھی ہلاک ہوگے نہ کبھی گمراہ۔

تیسری حدیث کے راوی ہیں حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی کتاب ہی اللہ کی رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک پہنچی ہوئی ہے!

حرفِ آخر برادرانِ دین! اب اختتام پر آج کی ساری گفتگو کا اعادہ کر لیجئے۔ حضورؐ کے ساتھ ہمارے صحیح تعلّق کی اوّلین بنیاد "ایمان" ہے۔ ایمان کے لازمی تقاضے کے طور پر دوسری بنیاد توقیر و تعظیم ہے۔ اسی دوسری بنیاد کے مضمرات "اطاعت و محبت" ہے اور ان دونوں کے اجتماع کا نام "اتباعِ رسولؐ" ہے جو اصل مطلوب ہے۔

حضورؐ سے صحیح تعلّق کی تیسری بنیاد "نصرتِ رسول" ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ حضورؐ کے مقصدِ بعثت کی حضور کی حیاتِ طیبہ میں تکمیل ایک درجہ میں ہوئی یعنی جزیرہ نمائے عرب کی حد تک۔ اس کا علی الاطلاق اور وسیع تر سطح پر، آفاقی سطح پر دعوت و تبلیغ کا کام ہنوز شرمندۂ تکمیل ہے۔ یہ فرض امّت کے ذمّہ ہے۔ یہ بوجھ اُمّت کے کاندھوں پر ہے۔ یہ امانت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے ہر اس شخص کی طرف منتقل ہوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دامن سے وابستہ ہے، حضورؐ کا نام لیوا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہمارے صحیح تعلّق کی چوتھی بنیاد: وَاتَّبَعُوْا

نُوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗ ہے۔ اس آخری بنیاد میں ہمارے لئے اسی طریق کار کی طرف بھی رہنمائی کر دی گئی ہے، جس پر کاربند ہو کر دعوت الی اللہ کا فریضہ اور تواصی بالحق کی ذمہ داری ادا کرنی ہے۔ اس کتاب کو مضبوطی سے تھام کر اس کا داعی، علمبردار اور پیامبر بن کر ہم کو دنیا کے سامنے کھڑے ہونا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی تکمیل کے لئے جدّوجہد کا یہی صحیح طریقہ ہے اور اسی میں دنیوی و اُخروی فلاح و فوز مضمر ہے

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝

اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

اِنْ شَاءَ اللّٰہُ الْعَزِیْز

ڈاکٹر اسرار احمد کے تین اہم خطابات

• دعوتِ بندگیٔ رب • فریضۂ شہادتِ حق

• فریضۂ اقامتِ دین

مُطالباتِ دین

کے نام سے جلد شائع ہوں گے

مکتبہ تنظیم اسلامی لاہور

طابع مکتبہ جدید پریس۔ شارع فاطمہ جناح - لاہور

ایک عظیم ماثور دُعا

عبدیتِ کاملہ کا مظہرِ اتمّ

— اور —

"شِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ" کی کامل تفسیر

★

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ

اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں

وَابْنُ عَبْدِكَ ——— وَابْنُ اَمَتِكَ

تیرے ایک ناچیز غلام اور ادنیٰ کنیز کا بیٹا ہوں

فِیْ قَبْضَتِكَ ——— نَاصِیَتِیْ بِیَدِكَ

مجھ پر تیرا ہی کامل اختیار ہے اور میری پیشانی تیرے ہی ہاتھ ہے

مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ ——— عَدْلٌ فِیَّ قَضَاءُكَ

نافذ ہے میرے بارے میں تیرا ہر حکم اور عدل ہے میرے معاملے میں تیرا ہر فیصلہ

اَسْئَلُكَ

میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں

بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ

تیرے ہر اس اسم پاک کے واسطے سے جس سے تو نے اپنی ذات مقدس کو موسوم فرمایا

اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ — اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ

یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو تلقین فرمایا یا اپنی کسی کتاب میں نازل فرمایا

اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِيْ مَكْنُوْنِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ

یا اسے اپنے مخصوص خزانہ غیب ہی میں محفوظ رکھا

اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ

کہ تو بنا دے قرآن مجید کو

رَبِيْعَ قَلْبِيْ — وَ — نُوْرَ صَدْرِيْ

میرے دل کی بہار اور میرے سینے کا نور

وَجِلَاءَ حُزْنِيْ — وَ — ذَهَابَ هَمِّيْ وَغَمِّيْ

اور میرے رنج و حزن کی جلا اور میرے تفکرات اور غموں کے ازالے کا سبب

(اٰمِيْنَ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ)

ایسا ہی ہو۔ اے تمام جہانوں کے پروردگار!

فہرست مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

تصانیف امام حمید الدین فراہیؒ

- مجموعہ تفاسیر فراہیؒ — ہدیہ -/۲۴ روپے
- اقسام القرآن — اردو ترجمہ الامعان فی اقسام القرآن — ہدیہ ۳/۷۵ "
- ذبیح کون ہے؟ — اردو ترجمہ القول الصحیح فی من ہو الذبیح — ہدیہ ۴/۵۰ "

تصانیف مولانا امین احسن اصلاحی

- سلسلۂ تدبّر قرآن:
  - مبادیٔ تدبّر قرآن: تدبر قرآن کے اصول و قواعد پر اہم دستاویز — ہدیہ -/۸ روپے
  - مقدمہ تدبّر قرآن و تفاسیر آیت بسم اللہ و سورۂ فاتحہ — ہدیہ -/۳ "
  - تدبّر قرآن جلد اوّل — مشتمل بر مقدمہ و تفسیر از ابتدا تا سورۂ آل عمران — " -/۵۰ "
  - تدبّر قرآن جلد دوم — مشتمل بر تفسیر سورۂ نساء تا سورۂ اعراف — " -/۵۰ "
  - تدبّر قرآن جلد سوم — مشتمل بر تفسیر سورۂ انفال تا سورۂ بنی اسرائیل — ہدیہ -/۵۰ "
  - تدبّر قرآن جلد چہارم — مشتمل بر تفسیر سورۂ کہف یا سورۂ قصص — -/۵۰ "
- حقیقتِ دین — مشتمل بر حقیقت شرک، حقیقت توحید، حقیقت تقویٰ، حقیقت نماز — ہدیہ -/۱۶ "
- دعوت دین اور اس کا طریق کار — ہدیہ -/۱۰ "
- اقامت دین کے لئے انبیاء کرام کا طریق کار — ہدیہ ۱/۲۵ "
- قرآن اور پردہ — ہدیہ -/۱ "

تصنیف ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

- اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدّعا اور طریق کار — قسم اعلیٰ ۱/۵۰، ادنیٰ -/۱

تصانیف ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- تحریکِ جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ — -/۶ روپے
- اسلام کی نشأۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام — -/۱ "
- مُسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق — -/۲ "
- " " " " " " انگریزی — -/۳ "
- " " " " " " (عربی) — -/۴ "
- عظمتِ صوم — -/۷۵ "
- علامہ اقبال اور ہم — ۱/۵۰ "
- راہِ نجات: سورہ والعصر کی روشنی میں — قسم اعلیٰ -/۲، ادنیٰ -/۱ "
- قرآن اور امن عالم — -/۷۵ "
- دعوتِ الی اللہ — -/۱ "
- آیت الکرسی: ایک نشری تقریر — -/۳۰ "
- دعوتِ بندگیٔ رب — (زیرِ طبع)
- فریضۂ شہادتِ حق — "
- مُسلمانوں پر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حقوق — ۱/۵۰
- اسلام اور پاکستان: ایک سیاسی و ثقافتی جائزہ — "

تالیف پروفیسر یوسف سلیم چشتی

- اسلامی تصوّف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش — " -/۵ "

کی ایک اور پیشکش

منکرین حدیث کے پیدا کردہ مغالطوں کے ازالے کی ایک اہم کوشش

یتیم پوتے کا حق وراثت

تالیف

سید غلام احمد رضوی

ایڈووکیٹ

بڑے سائز کے ۱۲۰ صفحات، سفید کاغذ پر آفسٹ کی طباعت

قیمت : -/۵

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ــــ اور ــــ قرآن آکیڈمی

کے اغراض و مقاصد اور ان کے حصول کے لیے لائحہ عمل کو تفصیل

کے ساتھ سمجھنے کے لیے مطالعہ فرمائیں

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ

کرنے کا اصل کام

تالیف

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

Regd. L. No. 7360

Monthly MEESAQ Lahore

Vol. 27 | FEBRUARY 1978 | No. 2

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے زیر اہتمام

پانچویں سالانہ

قرآن کانفرنس

ان شاء اللہ العزیز

بتاریخ :- ۲۲ - ۲۳ - ۲۴ مارچ ۱۹۷۸ء

بمقام :- آئی - بی - اے ہال

چوک ایم - اے جناح روڈ/گارڈن روڈ نزد مکی مسجد - کراچی

منعقد ہوگی - جس کا تفصیلی پروگرام ان شاء اللہ آئندہ ماہ شائع ہوگا - علمائے عظام اور دانشوران کرام کو دعوت نامے جاری کیے جا چکے ہیں - مزید معلومات کے لیے -

قاضی عبدالقادر ——— ناظم کانفرنس کمیٹی

سے فون : ۶۱۳۳۷۷ء پر رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے

ڈاکٹر اسرار احمد (ناشر) نے بااہتمام چودھری رشید احمد (ط ع) مکتبہ جدید پریس
شارع فاطمہ جناح سے چھپوا کر مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی ،
۳۶ - کے - ماڈل ٹاؤن - لاہور سے شائع کیا -